اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۳/۶۲

بے شک یہی قصے سچے ہیں۔ (القرآن)

نشاناتِ عبرت

(قرآن میں آثارِ قدیمہ کی حقیقت)

میاں عتیق احمد

فیلو آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن)

نشاناتِ عبرت

قرآن میں آثارِ قدیمہ کی حقیقت

میاں عتیق احمد

فیلو آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن)

"میوزیوگرافر"

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

میاں محمد شفیق

و

میاں شہر یار احمد

کے نام

اشاعت اول	اکتوبر 1997ء
تعداد	500
قیمت	150روپے
کمپوزنگ	طارق محمود' لاہور میوزیم' لاہور
سرورق	ملک محمد سلیم' لاہور میوزیم' لاہور
ناشر	میاں عتیق احمد' ریسرچ آفیسر' لاہور میوزیم' لاہور۔
مطبع	نیو الملک پرنٹرز' 7/B رائل پارک' لاہور۔ فون: 6376262

فہرست

پیش لفظ

ابتدائی زمانہ طالب علمی سے ہی مجھے کھنڈرات دیکھنے کا شوق تھا۔ پہلی بار 1981ء میں جب لاہور آیا تو شاہی قلعہ اور لاہور عجائب گھر دیکھے۔ اور پھر جب بھی لاہور آتا تو ان آثار قدیمہ کی گھنٹوں سیر کیا کرتا۔ اسکی وجہ شاید اسوقت مجھے معلوم نہ تھی۔

گریجویشن کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ تاریخ میں ایم۔اے۔ کرنے کیلئے داخلہ لیا۔ یہاں میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہوا کہ دوسرے سال مجھے اپنا پسندیدہ مضمون آثار قدیمہ پڑھنے کو ملا۔ یہیں ہمارا تعارف ڈاکٹر سیف الرحمٰن ڈار (تمغہ امتیاز) اور جناب شہباز خان جیسے عظیم محققین سے ہوا' جنہوں نے جنون کی حد تک ہمیں اس علم سے محبت کرنا سکھایا۔ یہ انہی دو افراد کی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ میں اس قابل ہوا کہ آج یہ تحریر عوام الناس کے مطالعہ کیلئے پیش کرسکوں۔

ایم۔اے۔ کے بعد میری پہلی تقرری پاکستان کے بحری تاریخ کے عجائب گھر میں بطور کیوریٹر ہوئی۔ اس کے بعد وفاقی محکمہ آثار قدیمہ میں بطور فیلڈ آفیسر' جنگلوں' بیابانوں' دیہاتوں اور شہروں کی کافی عرصہ خاک چھانی اور آثار قدیمہ تلاش کیے۔ پھر اسلام آباد عجائب گھر' اسلام آباد میں بطور کیوریٹر کام کیا اور آج کل لاہور عجائب گھر میں بطور ریسرچ آفیسر کام کر رہا ہوں۔

پورے عرصے کے دوران میں اس سوال کے جواب کی جستجو میں تھا جو لوگ کرتے تھے کہ آخر یہ آثار قدیمہ ہیں کیا؟ آج کی جدید زندگی میں ان آثار کو کیا اہمیت حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ ہم ان کی دیکھ بھال اور مرمت پر اتنا پیسہ خرچ کرتے ہیں اور ان کو محفوظ کرتے ہیں۔ اور پھر مجھے اس کا جواب مل گیا۔ اور یہی جواب اب میں لوگوں کے مطالعہ کیلئے پیش کر رہا ہوں۔ اس کتاب کا عنوان ''نشانات عبرت'' ہے۔ بظاہر بڑا عجیب لفظ کہ کونسی عبرت' کیسی عبرت اور کس کیلئے عبرت۔ اور اس کا جواب آپ کو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد مل جائیگا۔ لیکن تھوڑا سا تعارف یہ ہے کہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کون ہے؟ اسے کیوں پیدا کیا

گیا؟ یہ کیوں مرجاتا ہے؟ ہمیشہ زندہ کیوں نہیں رہتا؟ مرنے کے بعد منوں مٹی تلے کیوں دفن ہو جاتا ہے؟ تباہ شدہ بستیوں کے آثار کیوں ملتے ہیں؟ ان کے ساتھ کیا ہوا؟ ہمارے ساتھ کیا ہو گا؟ یہ سب میں آپ کے سامنے بیان کرنے جا رہا ہوں۔ امید ہے آپ ان الفاظ کو غور سے پڑھیں گے اور ماضی کے انسان کے باقیات کی اصلیت و اہمیت کو جان سکیں گے اور اپنے لئے مستقبل کی راہیں متعین کر سکیں گے۔

میں چند لوگوں کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے میرے آج تک کے سفر میں بہت اہم اور مثبت کردار ادا کیے۔ اور مجھے اس قابل بنایا کہ آج میں اچھی سوچ لوگوں کے سامنے پیش کر سکوں۔

میرے والدین، میرے روحانی بزرگ سائیں حبیب الرحمٰن، جناب محمد حنیف رامے صاحب (سابق وزیر اعلیٰ و سپیکر، پنجاب) ڈاکٹر سیف الرحمٰن ڈار، جناب شہباز خان، ڈاکٹر احمد حسن دانی، جناب شاہد احمد راجپوت، مس حمیرا عالم، کمانڈر جاوید، جناب ایم۔اے۔ حلیم، جناب ڈاکٹر محمد رفیق مغل، جناب اے۔ڈی۔ بھٹہ و چوہدری سہیل رضا بھٹہ (فرکوس انڈسٹریز، سیالکوٹ) شبیر حسین قصوری اور میاں وحید۔ ان لوگوں کی بہتر تعلیم و تربیت و معاونت میرے لئے ہمیشہ مشعل راہ رہے گی۔

آخر میں میں ملک محمد سلیم، آفیسر، لاہور عجائب گھر کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا سرورق تیار کیا۔ جناب طارق محمود نے کمپیوٹر کمپوزنگ کی۔ جناب محمد اقبال بٹ، حافظ بہارِ مصطفیٰ، محمد فیاض احمد، اور محمد اقبال نے اس کتاب کو لکھنے میں بھرپور مدد فراہم کی۔ میں ان تمام افراد کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

میاں عتیق احمد

ایم۔اے۔ تاریخ و آثار قدیمہ (گولڈ میڈلسٹ)

فیلو آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن)

صدر۔ میوزیو گرافر۔ پاکستان۔

ریسرچ آفیسر۔ لاہور عجائب گھر۔ لاہور۔

اکتوبر 1997ء

حصہ اول

کہانی کا آغاز۔ جدید دور

سولہویں صدی عیسوی میں یورپ اپنے سیاہ دور سے نکل کر احیائے علوم کی طرف گامزن ہوا۔ ان تمام علوم میں ایک علم "علم آثار قدیمہ" تھا۔ اسکی ابتدائی شکل بہت محدود تھی۔ اس علم کے حوالے سے روم میں ابتدائی تحقیق کا آغاز ہوا۔ بعد میں پومپئی (Pompeii) اور ستابی (Stabiae) تک سولہویں صدی کے وسط میں کام شروع ہوا۔ بعد میں یہ علم اٹھارویں صدی میں وہاں سے نکل کر اترور یا (Etruria) تک پھیل گیا۔ یہاں سے انیسویں صدی کے اوائل میں ان لوگوں کے دفنانے کے طریقے دریافت ہوئے۔ اس کے بعد اٹلی، سسلی، یونان تک اسکا دائرہ کار پھیل گیا۔ اس کے بعد پہلی مہم مصر اور مشرق وسطیٰ (رقیم یا حجر، خوراس آباد اور نینوا) گئی۔ یوں انیسویں صدی کے اوائل سے لیکر آخر تک روم سے اٹھنے والی تحریک آثار قدیمہ رفتہ رفتہ پوری دنیا میں پھیل گئی۔ الغرض کوئی بھی ایسا خطہ باقی نہ تھا کہ جہاں پر اثری مہمات محو تحقیق نہ ہوں اور اب بیسویں صدی کا آخری ربع اس کے عروج کا زمانہ ہے۔

سولھویں صدی کی ابتدا میں جب اس علم کا آغاز ہوا تھا تو اس کے پیش نظر صرف روم کے باقیات تھے مگر رفتہ رفتہ پوری دنیا اس کیلئے منبع جستجو ہو گئی' غرض و غائت یہ تھی کہ ماضی کے باقیات کا مطالعہ کیا جائے۔ چنانچہ ابتدائی سطح پر چیزیں اکھٹی کر کے لائی جاتیں اور رکھ دی جاتیں لیکن اس کا دائرہ کار بہت محدود تھا اور صرف بادشاہ اور امرا اس سے استفادہ حاصل کرتے تھے۔

لیکن اس سے پہلے زمانہ قبل مسیح میں نظر دوڑائیں تو اس علم کے ابتدائی شواہدات ہمیں بابل کے آخری مقامی بادشاہ کے وقت میں ملتے ہیں کہ جب اس نے سومیری اور اکاڈین اقوام کے قدیم آثار کی مرمت کروائی' یہ تقریبا" 535 سے 605 قبل مسیح کا زمانہ تھا۔ اسی طرح اس دور کی ایک شہزادی بیلشلتی نانار (Nannar Belshalti) نے اجیڈ (Agade) کے مندر میں کئی برس کھدائیاں کروائیں اور اپنے گھر میں ایک بڑا کمرہ بنوایا جس میں ان کھدائیوں والے نوادرات کو محفوظ کر لیا۔

اسی طرح ایک چینی باشندے نے تقریبا" 52 عیسوی میں تاریخ کی ایک کتاب مرتب کی جو شاید اپنی نوعیت کی پہلی اور منفرد قسم کی تھی۔ یعنی اس شخص نے زمانے کو تین ادوار میں تقسیم کیا۔ اول پتھر کا زمانہ' دوئم کانسی کا زمانہ اور سوئم لوہے کا زمانہ۔

جیسے کہ پہلے تحریر کیا گیا ہے کہ سولھویں صدی میں تہذیبوں کے باقاعدہ مطالعہ کیلئے یہ فن وجود میں لایا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پوپ حضرات نے بھی نوادرات اکھٹے کر کے اپنے گھروں میں سجانا شروع کر دیئے۔ 1732ء میں انگلینڈ میں دلتانی سوسائٹی (Society of Dilettani) قائم کی گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں نے مختلف علاقوں میں اس شعبہ میں کام کیا ہے ان کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا جا سکے۔ اٹھارویں صدی میں ہی مسٹر ونکل مین (Juachin Winckelman) نے "فن کی تاریخ" کتاب لکھ کر اپنے آپ کو بابائے آثار قدیمہ کہلوانے کا حقدار ٹھرایا۔

پھر رفتہ رفتہ اس کا دائرہ کار وسیع ہوتا چلا گیا۔ پہلے یہ علم ایک علاقے پر تحقیق تک محدود تھا۔ پھر علاقے کی قید ختم ہو گئی۔ پہلے یہ ایک مخصوص زمانے سے متعلق تحقیق پر مصروف تھا پھر یہ حد بھی ختم ہو گئی اور ماہرین آثار قدیمہ اس امر کی تلاش

میں مصروف ہو گئے کہ ان سے پہلے کون سے لوگ آباد تھے اور ان سے پہلے کن لوگوں نے اس دنیا کو آباد کیا تھا۔ پہلے یہ کام ان زمانوں سے متعلق نوادرات اکھٹے کرنے کی حد تک محدود تھا۔ بعد میں انکے ثقافتی رویوں کی تلاش کو اپنا نصب العین بنایا۔ یہ تاریخ مابعد التاریخ اور قبل از تاریخ کی تفصیل کرنے میں مصروف ہو گئے اور آخر کار چلتے چلتے اپنے دور اور صنعتی دور کے مطالعہ میں مصروف ہوئے۔ کیونکہ انکا خیال تھا کہ ماضی کے نوادرات کے مطالعہ سے پہلے آج کے لوگوں کے طریقہ کار کا پتہ چلانا بہت ضروری ہے۔

پھر انہی ماہرین آثار قدیمہ کی توجہ قدیم لوگوں کے مذہب کی طرف مبذول ہوئی اور انہوں نے ان لوگوں کے مذہب کے بارے میں جاننا ضروری سمجھا۔ ابتدائی انسان سے لیکر، کہ جب ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ وہ کون تھے۔ ان کے مذہب کے بارے میں انکی چھوڑی ہوئی اشیاء، معبدخانوں اور بتوں سے پتہ چلانے کی کوشش کی۔ نیز ان کی سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی زندگی کا بھی اندازہ ہو سکتا تھا۔

مذہب اور آثار قدیمہ

ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ معاشرے کی تشکیل اور اس کی ثقافتی ترقی میں مذہب کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے اور یہ خیال انہوں نے بائبل کے قصے کہانیوں سے حاصل کیا۔ اور اسی کی بنیاد پر انہوں نے تحقیق و جستجو کا نیا سلسلہ شروع کیا اور انہیں کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ چونکہ مسلم و غیرمسلم کی نظریاتی جنگ شروع ہو چکی تھی اور غیرمسلم علماء کے ہاں مذہبی تحقیق کا مقصد ان کے پیش نظر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی نسلی اور قومی برتری کو ثابت کریں۔ اور اس کیلئے انہوں نے نت نئی کھدائیاں کیں اور شواہدات حاصل کیے۔

ہمارے مسلم علماء نے بھی جہاں تک ممکن ہو سکا قرآن میں بیان کردہ قصوں سے متعلق تفاسیر میں تفصیل کے ساتھ لکھا۔ لیکن بدقسمتی سے ابھی تک سائنسی خطوط پر قرآنی حوالے سے کھدائیاں نہیں کی گئیں یا شاید اس کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

لیکن اس کے باوجود قدیم زمانے کے بارے میں ابتدائی تحقیقات کا آغاز مسلم علماء نے ہی کیا تھا۔ اس کی تفصیل زیادہ طویل ہے انشا اللہ آئندہ کسی تحریر میں ان کو تفصیل سے بیان کیا جائیگا۔

قبل از تاریخ کے آثار قدیمہ میں ہمیں مصری خط اشکال ملتا ہے اور میسوپوٹامیہ (عراق وغیرہ) سے خط تکون۔ ان کو پڑھنے کے بعد علماء اثریات، قدیم لوگوں کی پرانی روایات کا مطالعہ کرنے کے قابل ہو سکے جو اس زمانہ میں رائج تھیں۔ بائبل اور کلاسیکی آثار قدیمہ نے ان میں اضافہ کیا۔ اس کے بعد ماہرین کو پتھر کے زمانہ کے لوگوں کے بارے میں جاننے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ جریچو، فلسطین، ار، ارک اور نمرود و نینوا اور اسریا میں کھدائیوں کے دوران انہیں قدیم مذہبی اشیاء بھی ملیں۔ جن میں بت بھی شامل تھے جس سے ان کی مذہبی قدروں پر روشنی پڑی اور اب ماہرین اس جستجو میں لگے ہوئے ہیں کہ کیا مذہبی نوادرات جو پوری دنیا میں کھدائیوں کے دوران ملتے ہیں یعنی ایسی چیزیں جن کی عبادت لوگ کرتے تھے کیا وہ ایک دوسرے سے مماثلت رکھتی ہیں۔

آئندہ ابواب کے مطالعہ کے بعد آپ اس بات کو جان سکیں گے کہ دنیا میں کیا ہو رہا تھا اور انکے کس قسم کے مذاہب تھے۔

شروع میں مذاہب کے مطالعہ کو آثار قدیمہ سے الگ رکھا گیا لیکن 50-1940 کے درمیانی عرصہ میں اس پر خاصا کام ہوا۔ 1960 کی دہائی میں جدید علم آثار قدیمہ اور مذاہب کے مطالعہ کو اکھٹا کر دیا گیا۔ پھر 1970 کے عرصہ میں ماہرین نے "مذاہب کا قوموں کے عروج و زوال پر اثر" کے حوالے سے مطالعہ شروع کیا۔ یعنی مذہب کس طرح سے ریاست و سیاست میں عمل دخل رکھتا ہے۔ اور اس کا کتنا اثر ہوتا تھا، اور اثر کے تحت کس قسم کی ثقافتیں تشکیل پاتی تھیں۔ یعنی اب یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ معبد خانے شہر میں یا ریاست میں اہم حیثیت رکھتے تھے۔

دنیا کے زمانوں کی تقسیم

ماہرین تاریخ و آثار قدیمہ نے اپنے علم کے ذریعے دنیا کو مندرجہ ذیل ادوار اور زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔

1- فقید الآثار ابتدائی دور — نامعلوم وقت سے پچاس ہزار سال قبل مسیح تک۔

2- پتھر کا زمانہ

☆ دور شکار — پچاس ہزار سال ق م سے پچیس ہزار سال ق م تک۔

☆ دور زراعت — پچیس ہزار سال ق م سے دس ہزار سال ق م تک۔

3- پتھر کا زمانہ جدید

☆ دور تمدن — دس ہزار سال ق م سے تین ہزار سال ق م تک۔

☆ دور ملوکیت — تین ہزار سال ق م سے دو ہزار سال ق م تک۔

☆ برونز (کانسی) کا زمانہ — دو ہزار سال ق م سے ایک ہزار سال ق م تک۔

4- لوہے کا زمانہ

☆ دور شجاعت — ایک ہزار سال قبل مسیح سے ولادت مسیحؑ تک۔

☆ دور ظلمت — ولادت مسیحؑ سے چھ سو عیسوی تک۔

☆ دور نہضت — چھ سو عیسوی سے بارہ سو عیسوی تک۔

☆ دور جمود — بارہ سو عیسوی سے پندرہ سو عیسوی تک۔

5- بارود کا زمانہ

☆ دور استعمار — پندرہ سو عیسوی سے اٹھارہ سو عیسوی تک۔

☆ دور ایجادات — اٹھارہ سو عیسوی سے 1945 عیسوی تک۔

☆ جوہری آتش کا زمانہ — 1945 عیسوی تا آگے۔

☆ خلائی تسخیر کا زمانہ — موجودہ زمانہ۔

چنانچہ ماہرین آثار قدیمہ نے نوادرات کے ذریعے اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ شروع میں انسان شکار کرتا تھا اور کھاتا تھا اور تھوڑا بہت اپنے لئے بچا بھی لیتا تھا۔ یہ زمانہ تقریباً" 5 لاکھ سال قبل مسیح سے لیکر تقریباً" 4 ہزار سال قبل مسیح تک کا ہے۔ اور ابتدائی دیہاتی و سماجی زندگی کا آغاز تقریباً" نو ہزار سال قبل مسیح میں شروع ہوا۔ اور 3 ہزار سال قبل مسیح تک پہنچا۔ اس کے دوران دنیا کی عظیم قوموں نے جنم لیا۔ دجلہ و فرات، نیل، دریائے سندھ اور دریائے زرد (چین) کے علاوہ دنیا کے تمام علاقوں میں ہمیں ایسے آثار ملتے ہیں۔ لیکن ان سب میں دجلہ و فرات کے لوگوں کی تاریخ دنیا کی دیگر تہذیبوں سے زیادہ قدیم ہے۔

کبھی وہ انسان صرف شکار کرتا تھا پھر اس نے آگ جلانا سیکھی۔ کھیتی باڑی شروع کی، خوراک زخیرہ کرنا شروع کی۔ لڑائی کیلئے اوزار ایجاد کیے۔ جانوروں کو اپنے استعمال کیلئے قابو کیا۔ فن تعمیر و دیگر علوم و فنون میں ترقی کی۔ چنانچہ یہ سب آثار قدیمہ کے مطالعہ سے ہی ممکن ہو سکا کہ آج کا انسان اپنے سے پہلے والے انسان کو زمین سے کھود کر اس پر تحقیق کر کے اور نتائج مرتب کر کے عوام کے مطالعہ کیلئے پیش کر سکے۔

☆☆☆

1- پومپئی شہر کی کھدائی کے بعد کا منظر
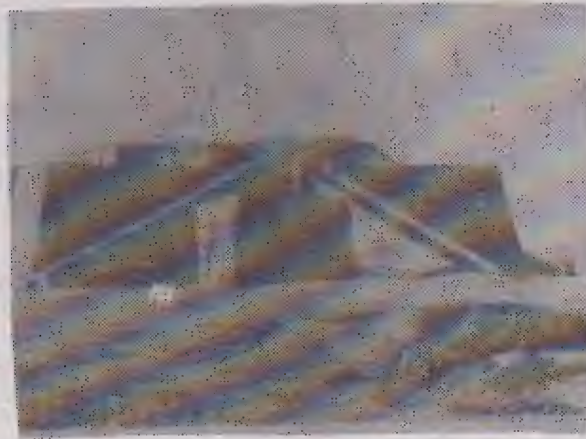
2- ابتدائی زمانہ میں مرمت کیے جانے والی عمارت (پانچویں صدی قبل مسیح)

حصہ دوئم

کہانی کا آغاز۔ قدیم دور

قل ھو اللہ ھو احد ○ کہو کہ اللہ ایک ہے۔

مالک و مختار کل دنیا و کائنات کو پیدا کرنے والا۔ روز جزا و سزا کا مالک۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ کہانی کب شروع ہوئی۔ اس کا آغاز کیا ہے۔ مفسرین قرآن و علماء اسلام نے اس موضوع پر بے شمار کام کیا۔ مولانا کوثر نیازی نے اپنی کتاب "قصہ ابلیس و آدم" میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک حدیث قدسی ہے۔

"میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق پیدا کی"

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے پہلے ملائیکہ اور جنوں کو پیدا کیا تھا۔ ملائیکہ وہ مخلوق ہے جس کا کام صرف عبادت خداوندی اور احکام خداوندی کی بجاآوری ہے۔ ان میں نسل و تناسل کا کوئی طریقہ نہیں۔ جبکہ جنات کو لو کی گرمی سے پیدا کیا۔ اور انسان سے پہلے زمین پر انہیں اپنا خلیفہ بنایا۔ یہ آگ کی مخلوق تھی۔ نہ اسے مکان کی

ضرورت تھی نہ حفاظت کیلئے ہتھیاروں کی۔ گویا وہ کائنات کی رنگا رنگ نعمتوں سے نفع تو حاصل کرتے تھے مگر نامکمل اور ناقص رنگ میں (بحوالہ فتح الباری۔ جلد 6 صفحہ 217)

آدم کی تخلیق

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ”قصص الانبیاء کے رموز اور انکی حکمتیں“ میں لکھتے ہیں۔

”ارواح سیارات کی قوتیں زمین کے ایک طرف جمع ہو گئیں اور امام نوح انسان نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ عالم ناسوت (مشاہدے میں آنے والا اور محسوس عالم) (حکما کے نزدیک ہیولا) میں ظاہر ہو۔“

بقول مولانا کوثر نیازی

”ادھر خالق کائنات کی خواہش تھی کہ خلیفہ ایک ایسی مخلوق کو بناؤں جو تمام حاجات و ضروریات رکھتی ہو اور ضرورت ایجاد کی ماں کے مصداق زمین میں چھپے ہوئے خزانوں سے انتفاع پزیر ہو سکے۔“

بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ

”اور عناصر میں اعتدال پیدا ہوا اور ان سے ایک اچھی بدبو پیدا ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان امور کے پیش نظر زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نوع کا کہ اس میں وسیع ارتفاقات (مراد اجتماعی ادارے۔ وہ ادارے جن کو انسان زندگی گزارنے کیلئے تشکیل کرتے ہیں) اور اخلاق کاملہ ہوں۔

اور ان میں قوت ملکیت اور قوت بہمیت دونوں جمع ہوں۔ چنانچہ دونوں سے الٹی حالات۔ جیسے کہ احسان و محبت ہیں،

پیدا ہوں اور یہ خلیفہ اس کا مستحق کہ اس پر اس کے اوپر سے شرع واجب کی جائے یہاں تک کہ وہ بذات عالم ہو جائے۔ اور رحموت (نفس) کا ایک صحیفہ ہو جو عالم کے تمام کے تمام حقائق پر اجمالاً" محیط ہے۔

پس اللہ کے اذن اور ارادے سے اس (آدم) کیلئے معتدل مادہ جمع ہو گیا۔ گویا کہ وہ مادہ اپنے اختلافات کے باوجود ساری کی ساری زمینیں ہیں۔ یقیناً معتدل سے اگر کوئی گرم چیز ملے تو وہ گرم ہو جاتا ہے۔ یا سرد چیز ملے تو وہ سرد ہو جاتا ہے اور معتدل اپنی قوت سے تمام طبقات کے قریب ہوتا ہے۔ غرض اس کا معتدل خمیر اٹھا اور وہ اس شے کی طرح ہو گیا۔ جس سے تعفن اور بدبو پیدا ہو گئی۔ پس اس میں کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا تعفن روحانیت میں سے ایک زبردست قوت کے ٹکراؤ کی وجہ سے روحانی تھا گندگی کا نہ تھا۔"

بعض حضرات مسٹر ڈارون کے نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان کا ارتقا بتدریج ہوا۔ پہلے وہ رینگنے والا تھا۔ پھر چلنے والا انسان بنا۔ دوسرا یہ کہ بعض کے نزدیک آدم بنی نوع انسان کو کہتے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں۔

"آدم بنی نوع انسان کو نہیں کہتے بلکہ وہ آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کے روپ میں پیدا کیا۔"

قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔

"عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا فرمایا اور پھر اسے فرمایا ہو جا اور وہ ہو گیا۔"

صاحب بدایہ و النہایہ نے محمد ابن حبان کے حوالے سے حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور پھر ان میں روح پھونکی اور اپنے سامنے ان کو درست کیا۔" (ج 1 ص 97)

بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ

"پھر اللہ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ فطرتاً" وہ حاسد، جھگڑالو اور مغرور و متکبر تھا۔ لیکن کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا تھا کہ اس کی یہ سرکشی ظاہر ہو۔ اس تقریب میں اس کی یہ کیفیات ظاہر ہو گئیں چنانچہ وہ ملعون ہوا اور خدا کے دربار سے نکالا گیا۔"

ابلیس کا مصدر ابلاس ہے جس کے معنی مایوسی کے ہیں اور شیطان شطن سے ماخوذ ہے جس کے معنی بعید کے ہیں یعنی نیکی اور رحمت سے دور۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس کونسی مخلوق تھی کیونکہ فرشتے تو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔

کان من الجن۔ (کہف 50) وہ جنوں میں سے تھا۔ (معنی پوشیدہ و خفیہ ہونا)

قرآن پاک میں آیا ہے کہ

"اور اس سے پہلے ہم نے جنوں کو لو کی گرمی سے پیدا کیا" (الحجر)

بقول شاہ ولی اللہؒ

"انسان بمعنی آدم میں دونوں قوتیں تھیں۔ اول روحانیت کہ الہام کا مستحق ہو دوئم بہمیت کہ غذا کی فراوانی سے گندے حالات پیدا ہوں۔ پس اس میں فرشتوں کی روحانیت اور بہمیت کی روحانیت جمع ہوئی اور تمام حیوانوں سے بڑھ کر عقل پیدا ہوئی۔ اس نے عقل کو شہوت، غضب اور حاجتوں پر لگایا۔

اور اسے عجیب عجیب ارتفاقات الہام کئے گئے۔ نیز صنعتوں کے استنباط کے طریقے الہام کئے گئے۔ وہ حالات ملکیت میں داخل ہوا۔ اسے عبادت اور پاکیزگی کی مختلف انواع الہام کی گئیں۔ پس اس نے ان سب میں اپنی اولاد کیلئے عجیب عجیب طریقے وضع کئے۔"

مولانا کوثر نیازی "قصہ ابلیس و آدم" میں لکھتے ہیں۔

"آدم کو تمام چیزوں کا علم دیا گیا۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ وہ چیزیں تھیں جن سے انسان کو دنیا میں سابقہ پیش آنا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ انبیاء و رسل کے نام تھے۔ انسان کو ملائیکہ پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا باعث علم ہے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو علم دیا اور ملائیکہ و جنوں کو سجدے کا حکم دیا مگر ابلیس منکر رہا اور ملعون ہوا۔

کچھ عرصہ اس کے ساتھ اہل جنت کا سلوک کیا گیا۔ پھر اللہ نے ایسی تقریب بہم کی کہ وہ خالصتاً اس کے ہو جائیں جس مقصد کیلئے انہیں پیدا کیا گیا تھا۔ پس اللہ نے شہوانی اور حرص کی طبیعت کو کہا کہ تمہیں خزانہ شر نے جو الہام کیا ہے اسے حرکت میں لا اور اس نے ایسا ہی کیا۔

"انوار تفکر" کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم و حوا کو پیدا کیا اور ان کو باغ میں رکھا اور کہا کہ کھاؤ پیو اور زندگی گزارو۔ لیکن دیکھو کہ اس شجرہ ممنوعہ کے پاس نہ جانا اور اس کا ذائقہ نہ چکھنا۔ یہ پابندی عارضی تھی لیکن آدمؑ شیطان کے بہکاوے میں آ کر غلطی کر بیٹھے (شیطان نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک مہلت طلب کی تھی کہ وہ اس کی مخلوق کو راہ سے بھٹکائے گا) کہ جس کے نتیجے میں انہیں جنت چھوڑنی پڑی یعنی اب انہیں اپنی اولاد پیدا کرنی تھی۔ اور انکے لئے کھیتی باڑی اور رہنے سہنے کے طریقے وضع کرنے تھے۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

"آدم میں طبعی احکام کا ظہور ہوا۔ عناصر اور اخلاط کا نظام ان پر غالب آیا اور ان سے وہ تمام جنتیں زائل ہو گئیں، عنایات ملکی ان سے پوشیدہ ہو گئیں اور عنایات طبعی کا ظہور ہوا۔ پھر آدمؑ سے کہا گیا کہ جب تمہاری اولاد پر طبیعت غالب آئیگی اور وہ الہام کیلئے آمادہ نہ رہیں گے تو اللہ کی بخشش اور اس کی حکمت کے تحت یہ واجب کر دیا گیا کہ وہ انکے لئے انہی میں سے رسول بھیجے۔ پس جس نے ہدایت کی پیروی کی پس نہ تو اس کیلئے خوف ہے اور نہ وہ غم کریں اور جس نے کفر کیا وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔

چنانچہ جب آدمؑ کو جنت سے نکالا گیا تو ان پر ارتفاقات کے علم کا فیضان ہوا۔ ان حاجات کا جو بنی نوع انسان کو پیش آتی ہیں۔ ان آلات کا جن سے انسان کام لیتا ہے آوازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا علم اور اس علم کا کہ ہر شے کیلئے لفظ ہو۔

اس لئے آدمؑ نے کاشت کرنا، فصل کاٹنا اور سمیٹنا، حیوانوں کو مسخر کرنا اور کھانوں کو پکانا شروع کر دیا۔ اس نے زبان کا استنباط کیا اور کلام کے اسلوب وغیرہ کی طرف اس کی راہ نمائی ہوئی اس نے نسل و تناسل اور عبادات کے طریقے وضع کیے۔"

چنانچہ ہزاروں برس قبل جب آدمؑ و بنی آدم خطہ ارض پر بسے اور اپنے رہنے سہنے کیلئے جدوجہد شروع کی اور آج کے دن تک جو کارہائے نمایاں اس نے سرانجام دیئے۔ اس کہانی اور ان کے باقیات و نشانات کو ماہرین اثریات و آثار قدیمہ نے کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے پیش کر دیئے۔ انہوں نے دنیا کے تمام خطوں میں کھدائیاں کیں اور بنی آدم کی ترقی کے تمام ادوار (یعنی جب وہ ابھی ابتدائی دور میں تھا۔ بعد میں پتھر کے اوزار بنانے شروع کر دیئے۔ وہ شکار کرتا تھا۔ کھانا پکاتا تھا۔ پھر

گرمی اور سردی سے بچنے کیلئے غاروں میں پناہ لی پھر مکانات بنانے شروع کئے اور کنبوں میں رہنا شروع کر دیا) کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا۔

پھر جب انسان کی سماجی زندگی کی ضروریات بڑھیں تو اس نے چھوٹے چھوٹے دیہات بنا کر رہنا شروع کر دیا اور یہی دیہات شہروں میں تبدیل ہوئے۔ فن تحریر، فن کوزہ گری و بے شمار علوم و فنون اس نے ایجاد کیے۔ پھر اس میں نئی نئی جدتیں پیدا کیں۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک معاشرے کی چار منزلیں ہیں۔ انہوں نے زندگی کی ابتدائی شکل سے لیکر اب تک انسان کے اجتماعی اداروں کے چار درجے قائم کیے ہیں۔ یہ انسانی معاشرے کے چاروں درجے ایک دوسرے کے بعد آئے۔ بقول ان کے معاشرہ ارتقاء کے ہر اگلے مرحلے پر اس وقت قدم رکھتا ہے کہ جب اس نے پہلا زینہ طے کیا ہو۔ پھر ہر درجہ میں دو قسم کے عناصر ہوتے ہیں۔

پہلی منزل

جماعتی زندگی کو معاشرہ انسانی کا سنگ بنیاد کہنا چاہئے۔ وہ جہاں کہیں بھی رہتا ہو اسے چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان کو پورا کرنے کیلئے وہ جدوجہد کرتا ہے۔ تبادلہ خیال کی خواہش زبان کی تخلیق کا محرک بنتی ہے۔ اگر کوئی زبان نہیں تو کسی کام اور فعل کو اجتماعی طور پر سرانجام دینا ممکن نہیں۔ زبان لوگوں کے ملنے جلنے سے بنتی ہے۔ یہ میل جول سے ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔ جانور صرف آواز نکالتے ہیں جبکہ انسان ذہن کے ذریعے موزوں الفاظ ایجاد کرتے ہیں۔

لباس و مسکن۔ سردی گرمی سے بچنے کیلئے ایک مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور تن ڈھانپنے کیلئے لباس کی۔ ابتدا میں انسان نے جانور کی کھال کو لباس بنایا اور غاروں میں پناہ لی، بعد میں خوشنما لباس تیار کیے اور پختہ مکانوں میں رہائش اختیار کی۔

غذا اور متعلقات۔ غذا کی ضرورت برائے زندگی تھی۔ اس نے کاشت کرنا، کھانا پکانا، جانوروں کو مسخر کرنا، شکار کرنا، باربرداری، برتن بنانا وغیرہ سیکھا۔ اس کی اخلاقی ضروریات تھیں۔ عورت برائے مرد کے نظریے نے خاندانی نظام کی ابتدا کی۔

دوسری منزل

مزید خواہشات کیلئے اچھے اچھے طریقے ایجاد کرنا۔ فطری اور تجرباتی علوم اور اخلاقی نظریے برابر ترقی کرتے ہیں۔ اب یہ سٹیج ہے کہ انسان لوگوں کے کہنے پر عمل کرتا ہے (یعنی راہنما کی بات مانتا ہے) وہ راہنما فن آداب معاش' انسانوں کو کھانے' پینے' اٹھنے' بیٹھنے' اوڑھنے اور چلنے پھرنے سے متعلق طریقے بتاتا ہے۔
فن تدبیر منزل۔ عورت مرد کا رابطہ اس منزل کا سنگ بنیاد ہے۔ فن اقتصادیات جنم لیتا ہے۔

تیسری منزل

ہر پیشہ دوسرے پیشے سے جدا ہوتا ہے۔ شریر لوگ نظام سیاست کو تباہ کرتے ہیں۔

چوتھی منزل

مستحکم سیاسی نظام قائم ہوتا ہے۔ کامل معاشرے کا تصور قائم کرنے کیلئے معاشرے کے مقام سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ معاشرہ انسان کے فطری تقاضوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

انسانیت میں چار بنیادی خصلتیں ہونی چاہئیں۔ پاکیزگی' خشوع و خضوع' ضبط نفس اور عدالت۔ حق تعالیٰ نے انبیاء کو انہی چار خصلتوں کی تبلیغ کیلئے بھیجا تھا۔ یعنی جب شریر لوگ سرکشی پر اتر آئیں اور نظام زندگی میں بگاڑ پیدا کرنے لگیں تو وہ لوگوں کی راہنمائی کریں اور ان کو گناہ سے بچنے کی ترکیب بتائیں۔ گناہ سے مراد وہ عقائد' اعمال و اخلاق ہیں اور جو بیان کی گئی چار اچھی خصلتوں کی ضد ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ کس لئے تھا۔ اس لئے کہ بنی آدم دیئے گئے علم کو بروئے کار لائیں۔ ایجادات کریں۔ معاشروں کی اچھی بنیادوں پر تخلیق کریں اور پھر اپنے خالق

کی عبادت کریں۔ کیونکہ وہی اللہ اور رب ہے۔ لیکن انسان فطرتاً" جلدباز اور بہکاوے میں آنے والا ثابت ہوا ہے اور یہ ہے انسان کے نسیان کی عادت۔ آدمؑ بھی خدا کی مقرر کردہ حد کو بھول گئے اور شیطان کے بہکاوے میں آ گئے۔ نسیان انسان کی فطرت میں شامل ہے اور اس سے بچنا ہی اس کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

مگر اس نے تو شیطان کے بہکاوے میں آ کر خدائے واحد کے ساتھ ساتھ بے شمار معبود تراش لئے اور پھر انہیں کو خدا سمجھ بیٹھے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ معاملہ تو کچھ اور تھا۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ تخلیق آدمؑ ایک خاص مقصد کیلئے وجود عمل میں آئی اور پھر اسی مقصد کے حصول کیلئے اسے جنت سے نکالنے کیلئے تقریب بہم پہنچائی گئی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے علوم سے نوازا اور اسے انہیں علوم کو بروئے کار لا کر اس نے زندگی میں نئی رنگینیاں اور جدتیں پیدا کیں۔

مختصر تاریخ اقوام عالم (خاکہ)

سطح ارضی پر نوع انسانی کے موجود ہونے کے قدیم ترین آثار جو اس وقت تک دستیاب ہو سکے ہیں وہ پتھر کے نوکیلے اوزار ہیں۔ نوع انسانی کی ابتدائی زندگی کا زمانہ، جس کے آثار مفقود ہیں، یقیناً بہت طویل ہو گا جس میں انسان کی نوع بتدریج پھلی پھولی اور روئے زمین کے میدانوں، پہاڑوں اور وادیوں میں پھیلتی چلی گئی۔

ابتدائی انسان شکار کرتا ہو گا اور اس کی غذا کا بیشتر حصہ خود رو پودوں کے پھلوں، بیجوں، مغزوں اور دانوں وغیرہ پر مشتمل ہو گا۔ اس نے سطح ارضی کے کسی ایسے خطے میں نشوونما حاصل کی ہو گی۔ جس کی آب و ہوا نہ تو حد سے زیادہ سرد ہو گی اور نہ بہت زیادہ گرم۔ اور وہاں پر قدرتی پھل بکثرت ملتے ہوں گے۔ پینے کا صاف و شفاف پانی وافر میسر ہو گا۔ اور خونخوار درندے بھی کم ہوں گے۔

یوں وقت گزرتا رہا اور اس کے ابتدائی زندگی کے ادوار محدود شعور (ترقی پذیر شعور) کے عالم میں گزر رہے ہوں گے۔ جب اس نے مزید سوچ بچار کی ہو گی تو پھر اس نے ابتدائی دریافتیں مثلاً"

پتوں سے حصہ اسفل ڈھانپنا۔
کم کم بولنا اور چیزوں کے نام رکھنا۔
ہتھیار کے طور پر لکڑی کے ڈنڈے کو استعمال کرنا۔
آگ کی خصوصیات کا جائزہ لینا۔
مردوں کو دفن کرنا۔
اور خوبصورت آرائشی چیزوں کا اکھٹا کر کے ذاتی استعمال میں لانا وغیرہ

کیں ہوں گی۔ اس کے بعد وہ ٹولیوں میں پھر ٹولیوں سے کنبے اور کنبوں سے قبیلے اور قبیلوں سے قوم کی شکل اختیار کر گیا ہو گا۔ اور اس طرح وہ تمدنی زندگی کی طرف مائل ہوا ہو گا۔

ابتدائی پتھر کے زمانے کے آثار ہمیں ایشیا' افریکہ اور یورپ میں ملتے ہیں۔ انسان کی نسل بحیرہ روم کے مشرقی کنارے اور جنوبی ساحلی علاقوں اور خطوں میں پھیل رہی تھی۔ اس دور میں موجودہ نسل انسانی کے آباؤ اجداد ایشیا کوچک' شام' لبنان' فلسطین' عراق' عرب' مصر' صحرائے اعظم کی وادیوں اور میدانوں میں شکار کھیل کر بسر اوقات کر رہے تھے۔ اس دور میں اس خطہ زمین کے طبعی حالات مختلف تھے۔

شمالی افریکہ اور جنوب مشرقی ایشیا کے وسیع صحرا اس دور میں گھاس کے سرسبز و شاداب میدان تھے۔ جن میں بارش کافی ہوتی تھی۔ جن علاقوں میں آجکل باد سموم چلتی ہے۔ اور ریگ رواں کے ٹیلے بنتے اور اڑتے ہیں۔ وہاں دریا اور ندیاں رواں تھیں۔ ان میدانوں میں انواع و اقسام کے جانور جو گھاس پر گزارا کرتے ہیں بڑی کثرت سے موجود تھے۔

ایشیائے کوچک کی سطح مرتفع پر، نیز شام، حجاز کے کوہستانی علاقوں میں خود رو ثمردار پودے بکثرت پھل پھول رہے تھے۔

اور یوں اس کہانی نے اپنا آغاز کیا۔ جو مختصراً" تحریر کیا ہے۔ اس پورے سفر میں جن تہذیبوں اور قوموں کا پتہ ہمیں چلتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1- **مصری۔** ان کا مسکن وادی نیل تھا۔
2- **چینی۔** ان کا مسکن دریائے زرد کی زیریں وادی تھا۔
3- **منوی۔** ان کا مسکن جزائر ایجہ تھا۔
4- **سمیری۔** ان کا مسکن دجلہ و فرات کی زیریں وادی تھا۔
5- **آنڈی۔** ان کا مسکن آنڈی ساحل اور سطح مرتفع تھا۔
6- **مایائی۔** ان کا مسکن وسطی امریکہ کا منطقہ حارا جنگل تھا۔
7- **یوکاٹائی۔** ان کا مسکن جزیرہ نمایوکاٹان کی بے آب بے شجر پتھریلی زمین تھا۔
8- **میکسیکی۔** ان کا مسکن جزیرہ نمایوکاٹان کی بے آب بے شجر پتھریلی زمین تھا۔
9- **حتی۔** ان کا مسکن کپاڈوشیا (سمیری سرحدوں کے پاس) تھا۔
10- **سریانی۔** ان کا مسکن شام تھا۔
11- **بابلی۔** ان کا مسکن عراق تھا۔
12- **ایرانی۔** ان کا مسکن اناطولیہ، ایران، جیحوں سیحوں تھا۔
13- **عربی۔** ان کا مسکن اناطولیہ، ایران، جیحوں سیحوں تھا۔
14- **مشرق اقصیٰ مرکز۔** ان کا مسکن چین تھا۔
15- **مشرق اقصیٰ** (جاپان شاخ)۔ ان کا مسکن جاپانی مجمع الجزائر تھا۔
16- **ہندی۔** ان کا مسکن دریائے سندھ و گنگا کی وادیاں تھیں۔
17- **یونانی۔** ان کا مسکن بحیرہ ایجہ کے جزائر و سواحل تھے۔

جیسے پچھلی سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح بنی آدم نے خطہ ارض کو اپنا مسکن بنایا اور پھر مختلف ادوار سے گزرتا ہوا آج کے زمانے میں وارد ہوا۔ اور اس سارے سفر میں اس نے معاشرے اور معاشرتی قدروں کی تشکیل کی۔ فن تعمیر کے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے۔ سلطنت و سیاست کو فروغ بخشا۔ لیکن اس میں ایک ہی خرابی تھی کہ وہ اس ہستی کو بھلا بیٹھا کہ جو اس کا مالک و خالق تھا۔ اور زمین پر بت تراش کر خود ان کا اوتار بن بیٹھا۔ اس پر بہمیت کی قوتیں غالب آ گئیں۔

لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب آدمؑ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تمہاری اولاد پر طبیعت غالب آئیگی اور وہ الہام حق کیلئے آماد نہ رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر رسول' ہادی اور ڈرانے والا بھیجے گا جو انہیں رشد و ہدایت کی تعلیم دیں گے۔

چنانچہ پوری کائنات میں جہاں جہاں اولاد آدم رہتی تھی اور جب اپنے اصل مرکز سے ہٹ جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ ان پر نبی اور رسول معبوث فرماتا جو انہیں سیدھا راستہ دکھاتے اور جو لوگ تائب ہوتے ان کیلئے انعام ہوتا اور جو لوگ اپنے برے راستے نہ چھوڑتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوتا اور انکی بستیاں تباہ و برباد کر دیں جاتیں۔

صاحب بدایہ والنہایہ نے محمد ابن حبان کے حوالے سے حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت نقل کی ہے۔

> "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی تعداد دریافت کی تو حضورؐ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ پھر سوال کیا۔ ان میں رسول کتنے تھے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ 313 کی بڑی تعداد میں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اول کون ہیں۔ ارشاد ہوا آدمؑ، میں نے عرض کیا۔ وہ نبی مرسل تھے۔ فرمایا ہاں۔" (ج-ا- صفحہ 97)

"اے اولاد آدم! جب کبھی ایسا ہو کہ میرے پیغمبر تم میں پیدا ہوں اور میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں تو جو کوئی (ان کی تعلیم سے متنبہ ہو کر) تقویٰ اختیار کرے گا اور اپنے آپ کو سنوارے گا۔ اس کیلئے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو گا یہ کسی طرح کی غمگینی۔" (7/35)

جس رشد و ہدایت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے اولاد آدمؑ سے کیا تھا یہ انہیں خدا کے رسولوں کی وساطت سے ملنی تھی۔ چنانچہ ان انبیاء و رسل نے مختلف ادوار میں اقوام عالم کی راہنمائی کی اور ان کے پاس خدا کا پیغام پہنچایا۔ اور ایسا اس وقت ہوتا تھا جب شرپسند لوگ سماجی اداروں و معاشرت میں بگاڑ پیدا کر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام و ملل پر اپنے پیغمبر بھیجے لیکن ان کی حیثیت صرف اور صرف پیغام رساں کی نہیں ہوتی تھی بلکہ اس ہدایت پر پہلے خود کاربند ہوتے تھے پھر اس کی تبلیغ کرتے تھے۔ یعنی پیغمبر تعلیم خداوندی کا پیکر ہوتا اور پھر بنی آدم پر اطاعت رسول واجب کر دی گئی۔ درحقیقت اطاعت رسول میں ہی اطاعت خداوندی پوشیدہ ہے۔

"پس (دیکھو) تمہارا پروردگار اس بات پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اپنے تمام جھگڑوں اور قضیوں میں تمہیں حاکم بنائیں اور پھر (اتنا ہی نہیں بلکہ) ان کے دلوں کی حالت بھی ایسی ہو جائے کہ جو کچھ تم فیصلہ کرو اس کے خلاف کسی دوسری طرح کی دل گرفتگی محسوس نہ کریں اور وہ جو کسی بات کو پوری طرح مان لینا ہوتا ہے اسی طرح ٹھیک ٹھیک مان لیں۔" (4/65)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول کی اطاعت کیوں ضروری ہوتی ہے؟ اس لئے کہ انسانوں کو مدنیت کی زندگی بسر کرنا ہے انہیں آپس میں مل جل کر رہنا ہے اور

ایسی طرز زندگی کیلئے ایک نظام اطاعت کی ضرورت ہے جسے عام اصطلاح میں حکومت اور قرآن کی رو سے دین کہا جاتا ہے۔

دنیاوی نظام حکومت میں قانون سازی کا اختیار کسی ایک انسان یا انسانوں کے گروہ کو ہوتا ہے اور باقی انسانوں کو ان وضع کردہ قوانین کی اطاعت کرنی ہوتی ہے۔

لیکن جس نظام حکومت کے علمبردار انبیاء ہوتے ہیں ان کے قوانین وضع کرنا انسان کے اختیار و دائرہ ار میں نہیں آتا بلکہ اس میں اصولی ضابطہ ء قوانین خدا کی طرف سے ملتا ہے جس کی تنفیذ سب سے پہلے رسول اور اس کی متبعین کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ لہٰذا رسول اس نظام حکومت الٰہیہ کا مرکز اولین ہوتا ہے اور اس کی اطاعت (جو در حقیقت قانون خداوندی کی اطاعت ہوتی ہے) ضروری ہے۔

آج جو پوری دنیا میں جھگڑے ہو رہے ہیں۔ مختلف مذاہب کے نام پر بحث و مباحثہ اور دنگا فساد و خونریزیاں ہو رہی ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ خدا کا پیغام تو ایک ہی ہے۔ اس میں تو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں کیا یہ لوگ آج کے دور میں اپنے بنائے ہوئے بتوں کو تو نہیں پوج رہے؟ اور بت پرستی تو شرک ہے' خدا کے ہاں سب سے بڑا جرم۔

اگر اس سلسلہ رشد و ہدایت کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے کہ جس کو قرآن پاک نے پیش کیا ہے تو بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

موجودہ مذاہب کی دنیا پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا رقیب اور ابدی دشمن دکھائی دیتا ہے۔ اور دوسری طرف ہر مذہب اپنے آپ کو آسمانی تعلیم قرار دیتا ہے۔ لہٰذا یہ جو مذاہب والے ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے جھگڑتے ہیں تو کیا ان کو یہ تعلیم دینے والے آپس میں دشمن تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی آیات کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ بنی آدم کی اصلاح کار کیلئے انبیاء و رسل کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ان سب کا ایک ہی مقصد اور ان کو بھیجنے والی ایک ہی ہستی ہے۔ یہ سب ایک ہی پیغام لیکر آتے تھے اور جب ایک نبی اپنی مدت پوری کر لیتا تو دوسرا نبی یا رسول آتا۔ تو پہلے کی شریعت منسوخ کر دی جاتی اور یوں یہ سلسلہ چلتا چلتا نبی آخرالزمان جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک آ پہنچا جو

دنیا کیلئے آخری پیغام رساں ہیں۔ اور قرآن حقیقی کتاب۔ اور روز قیامت تک یہی شریعت رائج رہے گی۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس پر عمل کرنا آج کے تمام انسانوں پر فرض ہے۔

قصص القرآن

یہاں یہ بات لکھنا بڑی معتبر اور ضروری ہو گی کہ قرآن مجید فرقان حمید میں قصص کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اسکا ایک قصہ انہی قصص پر مشتمل ہے یعنی انبیاء اور اقوام گزشتہ کے احوال۔ کچھ تفصیل کے ساتھ اور کچھ اختصار کے ساتھ لیکن مقصد ایک ہی تھا۔ تنبیہہ اور عبرت۔

مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے ان قصص کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

1- ہم تیری طرف وحی کے ذریعے قرآن بھیج کر تجھ کو سب سے اچھا قصہ سناتے ہیں اور تو اس سے پہلے یقیناً بے خبر تھا۔ 3/12

2- اس میں شک نہیں کہ عقل والوں کیلئے ان لوگوں کے قصوں میں عبرت ہے۔ یہ کوئی بنائی ہوئی بات نہیں۔ بلکہ جو اس سے پہلے موجود ہے یہ اس کی تصدیق ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لانے والے ہیں۔ ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت موجود ہے۔ 111/12

3- بے شک یہ بیان واقعی (سچے) قصے ہیں۔ 61/3

4- اور کتنے پیغمبر ہیں جن کا قصہ ہم تجھے اب سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور کتنے پیغمبر جن کا قصہ ہم نے تجھ سے بیان نہیں کیا۔ 164/4

5- اور ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے ان میں بعض کے قصے ہم نے تجھ کو سنائے اور ان میں بعض کے قصے نہیں سنائے۔ 78/40

6- یہ چند بستیاں ہیں جن کے قصے ہم تم کو سناتے ہیں۔ 101/7

7- اور ان کو اتنی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ جن میں (کافی) تنبیہہ ہے۔ 4/45

-8 ہم ان کا ٹھیک ٹھیک تجھ سے بیان کرتے ہیں۔ 13/18

-9 اس طرح ہم گزشتہ واقعات کے قصے تجھے سناتے ہیں اور ہم نے تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرمائی۔ 99/20

-10 اے جن و انس کے گروہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے کہ تم سے ہمارے احکام کا قصہ بیان کریں اور تمہیں اس روز پیش آنے والے حالات سے ڈرائیں۔ 102/12 43/3

-11 کہہ دے کہ قرآن (کا نازل ہونا) ایک بڑی خبر ہے۔ 67/38

مندرجہ بالا آیت سے ایک بات بڑی عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن میں بیان کردہ واقعات کوئی عام واقعات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ قصے جو مختلف وقتوں میں اور مختلف علاقوں میں رو پذیر ہونے والے واقعات سے متعلق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے عبرت بنا دیا۔ لیکن یہ کیسے پتہ چلے گا کہ جو بات قرآن نے کہی ہے اور دعوت نظارہ دی ہے کہ اجڑی ہوئی بستیاں تمہارے لئے نشانات عبرت ہیں۔ تو اے آج کے انسان! سمجھ لے کہ یہ آثار قدیمہ ہی ہیں کہ جن کے ذریعے ہم آیات قرآنی (قصص سے متعلق) کی تعبیر دیکھ سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ علم خدا کے ہاں بہت ہی اہم ہے۔ اور دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے کہ سورہ ھود آیت 120 میں آیا ہے۔

"(اے محمدؐ) اور پیغمبروں کے وہ حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کو قائم کرتے ہیں اور ان (قصص) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا۔ اور (یہ) مومنوں کیلئے نصیحت و عبرت ہے۔"

اب ایک سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج جب کہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں اور علم آثار قدیمہ کے ذریعے پوری دنیا کے ہر خطے میں ہمیں قدیم اقوام و ملل کے نشانات ملے ہیں تو غور کیجئے کہ قرآن مجید میں صرف اور صرف سامی النسل اقوام کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں

نے ہر بستی اور قریہ میں انبیاء بھیجے ہیں مگر قرآن نے صرف مخصوص علاقے اور لوگوں کا ذکر ہے۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

-1 یقیناً جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے ہر قریہ اور ہر دور میں رشد و ہدایت کیلئے انبیاء کو مبعوث کیا تو اس میں کوئی شک نہیں بلکہ دنیا کے آثار قدیمہ اس بات کی گواہی ہیں۔ اور جب ہر قریہ اور ہر بستی کا ذکر کر دیا گیا تو اس کا مطلب کل کائنات ہے۔ چنانچہ یہ بات ذہن میں پختہ کر لینی چاہئے کہ خدا کا پیغام ہر دور کیلئے آیا تھا۔

-2 سامی السل لوگوں کا ذکر اور اس سے منسلک قدیم اقوام و ملل اور انکے انجام کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ جب قرآن پاک نازل کیا گیا اور جن لوگوں کیلئے بھیجا گیا وہ عرب میں رہتے تھے اور بقول یعقوب حسن مصنف "کشاف الہدیٰ" یہیں پر خدا کے پیغام کی ابتداء ہوئی تھی اور یہیں پر آخری پیغام آنا تھا۔ یہی خطہ پہلے پہل مہذب تھا۔ طوفان نوحؑ کے بعد ھودؑ اور صالحؑ اسی خطے سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہیں کعبہ کی بنیاد رکھی۔ اس سے بڑھ کر کہ یہاں کی عرب اقوام غلام نہیں رہیں بلکہ یہاں سے نکل کر انہوں نے حکمرانی کی ہے۔" الغرض یہ شام، دمشق، مصر، عراق، فلسطین وغیرہ تک تجارت کرتے تھے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے امام مبین کے نام سے پکارا ہے۔ اور اس علاقے کے قدیم لوگوں کی بستیوں کے نشانات اس شاہراہ پر موجود تھے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کا خاص طور پر ذکر کیا۔ تا کہ جب یہ لوگ وہاں سے گزریں تو انہیں خدا کی آیتوں کی تصدیق ہو جائے۔

یہ کھنڈرات ان گزرگاہوں پر پڑتے تھے اور جن کی ٹھیکریاں ان اقوام گزشتہ کی زندہ داستانیں تھیں۔ اور دوسرے وہ لوگ ان قوموں کے افسانے دن رات سنتے تھے۔ ان کے کان ان انبیاء اکرام کے اسمائے گرامی سے آشنا تھے۔ اور سوانح و احوال سے بھی۔ لٰہذا یہ بات حقیقت سے نزدیک

تھی کہ جب ان کے سامنے اقوام گزشتہ کے احوال و کوائف بیان کر کے ان کی توجہ اصل مقصود کی طرف منعطف کرائی گئی تو انہوں نے ان داستانوں اور نتائج سے کوئی اجنبیت محسوس نہ کی۔

3- یعنی ان کی تذکیر و موعظت کا ایک حصہ ان کے سامنے تھا۔ فقط اتنا باقی تھا کہ انہیں یہ بتا دیا جائے کہ ان اقوام کی یہ حالت اس وجہ سے ہوئی تھی اور اگر تم بھی ایسا کرو گے تو تمہاری بھی حالت اسی طرح ہو جائیگی۔

چنانچہ اس مقصد کیلئے ان کے سامنے ان ہی اقوام و انبیاء کرام کے واقعات پیش کیے گئے جن سے وہ پہلے واقف تھے کیونکہ سیدھی سی بات ہے کہ اگر عرب قوم کو کہا جاتا کہ امریکہ میں یا افریکہ میں یا آسٹریلیا میں یا کسی اور جگہ سے متعلق کہ جن سے یہ لوگ واقف نہ ہوتے وہاں کی مثالیں دے کر انہیں درس دیا جاتا اور ان کے حالات سے ڈرایا جاتا تو شاید یہ بات زیادہ کارگر ثابت نہ ہوتی۔

4- انسانی علوم کی شاخوں کو تین شقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1- علم فطرت

2- تاریخ

3- علم النفس

قرآن نے تاریخ کو محض وقائع نگاری کی حیثیت نہیں دی بلکہ استقرائی طریق سے اس کا مطالعہ ضروری قرار دیا ہے اور یہی وہ استقراء تاریخی ہے جسے اب انسان کی سیاسی و عمرانی زندگی میں اس قدر اہمیت حاصل ہے۔ اس میں حضرات انبیاء اکرام اور انکی اقوام کا جو تذکرہ کیا ہے اسکو محض ایام و وقائع کی تاریخ کی حیثیت سے نہیں کیا بلکہ اس سے عبرت و موعظت کے خاص نتائج اخذ کیے ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء اکرامؑ کی دعوت کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا گیا۔ ماننے والوں نے اسے کیسے مانا اور جھٹلانے والوں نے اسے کیسے جھٹلایا۔ پھر یہ بتایا کہ ماننے والوں کے اس ایمان و عمل نے

کس قسم کے خوشگوار اور حیات بخش نتائج مرتب کیے اور تکذیب کرنے والوں کی سرکشی و عصیان نے انہیں کس طرح تباہی و بربادی کے جہنم کی طرف دھکیل دیا۔ ان واقعات کے بیان کے بعد قرآن نے بتایا کہ یہ محض اتفاقی حوادث نہ تھے جو یونہی ظہور پذیر ہو گئے بلکہ ان کا ظہور خاص قوانین خداوندی کے تحت ہوا جسے سنت اللہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ اقوام گزشتہ اور ملل سابقہ کے ساتھ ہوا وہی کچھ تمہارے ساتھ بھی ہو گا۔ اور یوں تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی اور یہ وہ مقصد تھا جس کیلئے قرآن مجید میں ملل قدیمہ اور انبیاء اکرامؑ کے احوال و قصص بیان کیے۔

5- شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک قصص انبیاء "علم ایام اللہ" ہے۔ الفوز الکبیر میں وہ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں۔ ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً" فرمابرداروں کیلئے انعام اور نافرمانوں کیلئے عذاب۔ ان میں سے انہی جذیات کو اختیار فرمایا۔ جو بیشتر ان عربوں کے گوش زد ہو چکی تھیں اور وہ اجمالی طور پر ان کا ذکر سن چکے تھے۔ مثلاً" قوم نوحؑ، عاد، ثمود، ابراہیم و بنی اسرائیل وغیرہ۔

ان تمام قصوں سے یہ مقصود نہیں کہ صرف ان واقعات سے آگاہی حاصل ہو جائے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہن مشرک اور معاصی کی برائی کی جانب سے منتقل ہوں اور وہ کفار پر عذاب خداوندی اور مخلصین پر خدا تعالیٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کا ادراک کریں۔

6- اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن کی عالمگیری آثار قدیمہ کے ذریعے ثابت ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جب قرآن پاک پڑھا جاتا ہے تو اس کے مخاطب تمام عالم ہیں، تمام انسان خواہ وہ کہیں بھی قیام پذیر ہوں چونکہ خدا کی طرف سے یہ آخری ہدایت نامہ ہے اور تمام عالمین کیلئے ہے اور روز آخر تک ہے اس لئے پوری دنیا کے آثار وہاں کے لوگوں کیلئے نشانات عبرت ہیں۔ اور ذرا غور فرمائیں کہ اب جبکہ نبوت ختم ہو چکی ہے

اب کوئی نبی نہیں آئیگا اور جب پھر لوگ بھٹکیں گے۔ مگر جب قرآن پڑھیں گے اور ان آثار کو اپنے سامنے بطور نشان عبرت دیکھیں گے تو یقیناً پھر نیکی کی طرف مائل ہوں گے۔ اب جبکہ پوری دنیا میں یہ آثار ظاہر ہو چکے ہیں تو کیا اے صاحب! یہ خدا کی طرف سے آج کے انسان کیلئے آخری تنبیہہ تو نہیں؟ اس پر غور کریں۔

چنانچہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوئی کہ یہ واقعات محض تفریح کیلئے بیان نہیں کیے گئے بلکہ ان کے پیچھے ایک مقصد تھا کہ انسان ان پر غور و فکر کریں اور ان راستوں کا چھوڑ دیں جو تباہی کی طرف جاتے ہیں۔ اسی لئے تو قرآن میں آیا ہے۔

> ''(یہ) برکت والی کتاب ہے۔ جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔'' (ص-3)

> ''تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔'' (محمدؐ-5)

چنانچہ جنہوں نے غور کیا انہیں راستہ مل جائیگا اور انعام یافتہ ہوں گے۔ اور جو لوگ آنکھوں سے اندھے اور کانوں سے بہرے ہوں گے وہ ہمیشہ کیلئے آگ میں جلیں گے۔

حصہ سوئم

قرآن و علم آثار قدیمہ

آثار قدیمہ ایسی جگھوں یا ایسی چیزوں کو کہتے ہیں جن کا کسی نہ کسی حوالے سے انسان سے تعلق رہا ہو۔ یعنی وہ چیزیں انسان کی تخلیق کردہ ہوں۔ اس میں ان کا فن تعمیر، فن کوزہ گری، فن اسلحہ سازی، فن اوزار سازی، لباس و دیگر فنون لطیفہ وغیرہ۔

جب کوئی زندہ تہذیب ختم ہو جاتی ہے یعنی یا تو وہ تباہ ہو جاتی ہے یا لوگ وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں تو ان کے چھوڑے ہوئے نشان باقی رہ جاتے ہیں۔ اور زمانہ ان کے اوپر تہہ در تہہ مٹی جما دیتا ہے اور وہ ٹیلوں کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ جبکہ ماہرین اثریات و آثار قدیمہ ان ٹیلوں کی کھدائیاں کر کے نوادرات حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کا تجزیہ کر کے انکی تاریخ مرتب کرتے ہیں۔ جس سے ہمیں اس خطے، علاقے اور شہر کی سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، جغرافیائی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ پہلے باب میں تفصیل سے تحریر کیا جا چکا ہے کہ اس کا آغاز کب، کہاں اور کیسے ہوا۔

بلاشبہ جدید اصطلاح میں یہ علم بہت زیادہ پرانا نہیں۔ بمشکل اڑھائی یا تین صدیاں پرانا ہو گا۔ لیکن جب قرآن مجید کو غور سے پڑھیں تو ہمیں اس علم کے بارے میں بہت کچھ ملتا ہے۔ قرآن نبی اکرمؐ پر آج سے تقریباً پندرہ سو سال پہلے نازل ہوا تو ثابت ہوا کہ اسلام میں علم آثار قدیمہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ قرآن کا نزول خود۔ بلکہ جو کتب سماوی قرآن سے پہلے بھیجی گئیں ان میں بھی گزشتہ اقوام کے تذکرے تھے۔

مولانا کوثر نیازی اپنی کتاب ''مطالعہ تاریخ'' میں لکھتے ہیں۔

> ''یہ علم اسی وقت وثوق و یقین کی منزل میں داخل ہو چکا تھا جبکہ قرآن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اس نے حیات انسانی کی فلاح و بہبود کیلئے مکمل دستور پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ما قبل دور کی جزوا'' نقاب کشائی کی تھی اور بعض پچھلی بڑی قوموں اور بعض پچھلی بڑی شخصیتوں، ملتوں اور انبیاء کے حالات کا ذکر کیا تھا اور یہ ہرگز ہرگز قیاسی و خیالی ذکر نہیں ہے۔''

اب آپ خود اندازہ کر لیں کہ مندرجہ ذیل قرآنی آیات مقدسہ صرف اور صرف ان کھنڈرات کی سیر سے متعلق ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود کیا۔

1- تم سے پہلے بھی واقعات ہو گزرے ہیں۔ تو ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ 136/3
2- تو کہدے۔ کہ ذرا دنیا میں چلیں پھریں اور پھر دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ 11/6
3- کیا انہوں نے دنیا کی سیر نہیں کی کہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ 109/12
4- پس تم ذرا دنیا میں چلو پھرو اور پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ 36/16
5- کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں (چلتے پھرتے) تو ان کے دل ایسے

ہوتے کہ ان کے ذریعے عقل سے کام لیتے اور ایسے کان کہ ان کے ذریعے سے (نیکی کی باتیں) سنتے۔ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل جو سینوں کے اندر ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔ 46/32

6- (اے پیغمبر) ان سے کہدے کہ ذرا دنیا میں چلیں پھریں۔ اور پھر دیکھیں کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔ 69/27

7- ان سے کہدو کہ ذرا دنیا میں چلیں پھریں اور پھر دیکھیں کہ اللہ نے کس طرح پر اول بار (مخلوق کو) پیدا کیا۔ پھر اللہ آخری اٹھان بھی اٹھائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ 20/29

8- کیا انہوں نے ملک کی سیر نہیں کی کہ اپنے سے پہلے والوں کا انجام دیکھ لیتے۔ جو ان سے زیادہ شدید قوت والے تھے۔ اور انہوں نے زمینیں بھی جوتیں۔ اور زمین کو جس قدر ان لوگوں نے آباد کیا ان سے بہت زیادہ ان لوگوں نے آباد کیا تھا۔ اور ان کے پاس (بھی) ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تو خدا (ایسا بے انصاف) نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے مگر وہ لوگ آپ ہی اپنے پر ظلم کیا کرتے تھے۔ 9/30

9- (اے پیغمبر) تو ان سے کہدے کہ ایسے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیسا برا انجام ہوا۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ 42/30

10- کیا انہوں نے ملک میں سیر نہیں کی کہ دیکھتے ان سے پہلوں کا انجام کیا ہوا۔ اور وہ ان سے زیادہ قوت والے (بھی) تھے۔ 44/35

11- اور کیا انہوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ وہ بل بوتے کے اعتبار سے اور نشانات کے اعتبار سے جو زمین پر ہیں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ تو خدا نے ان کو ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا۔ اور ان کو خدا سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔ 21/40

12- کیا یہ لوگ ملک میں نہیں چلے پھرے کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ (اور) وہ ان سے کہیں زیادہ تھے۔ اور بل بوتے کے اعتبار سے اور نشانات کے اعتبار سے جو (وہ) زمین پر (چھوڑ گئے) (ان سے) کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ تو ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ 82/40

13- کیا یہ لوگ ملک میں چلے بھرے نہیں (چلتے پھرتے) تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا کہ خدا نے ان کو تہس نہس کر دیا۔ اور ایسا ہی کچھ کافروں کو پیش آنا ہے۔ 10/47

مندرجہ بالا آیات جلیلہ پر ذرا غور کریں کہ قرآن مجید میں آثار قدیمہ و نشانات اقوام قدیم کو دیکھنے کی طرف رغبت دی گئی ہے۔ بار بار یہ کہا کہ دیکھو اور سیر کرو۔

آج جبکہ ہم بنی نوع انسان اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں تو علم آثار قدیمہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن کبھی غور کریں کہ آجکل ہم جس انداز میں علم آثار قدیمہ کا مطالعہ کرتے ہیں وہ محض یہ ہے کہ کسی قدیم جگہ کی کھدائی کرنے کے بعد وہاں سے ملنے والے نوادرات کو عجائب گھروں میں رکھ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ لوگوں کو تفریح طبع کا موقع ملے اور وہ علم حاصل کر سکیں اور اپنے سے پرانے لوگوں کے بارے میں جان سکیں کہ ان کی سیاسی' سماجی' معاشی اور معاشرتی زندگی کیسی تھی۔ ہمیں کھدائیوں کے دوران بت بھی ملتے ہیں کہ جن کے ذریعے ہمیں ان لوگوں کے مذاہب کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ حالانکہ وہ لوگ اس بت پرستی اور شرک کی بنا پر ہلاک ہوئے تھے۔

بلاشبہ علم آثار قدیمہ قرآن پاک کی رو سے بہت اہم علم ہے کیونکہ یہ آثار نشانات عبرت ہیں جیسے قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا۔

1- سو دیکھ گناہ گاروں کا انجام کیا ہوا۔ 84/7

2- اور دیکھو کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا۔ 86/7

3- سو دیکھو مفسدوں کا انجام کیا ہوا۔ 103/7' 14/27

4- سو دیکھ لو ظالموں کا انجام کیا ہوا۔ 39/10، 40/28

5- سو دیکھ کہ ان کے مکر کا انجام کیا ہوا۔ ہم نے انہیں اور ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔ 51/27

6- سو ہم نے ان سے بدلہ لیا۔ سو دیکھ کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ 25/43

7- سو اے آنکھوں والو عبرت پکڑو۔ 2/59

مندرجہ بالا آیات قرآنی ہمیں بتاتی ہیں کہ یہ کھنڈرات یا اجڑی ہوئی جگہیں اور ان کے چھوڑے ہوئے برتن اور بڑی بڑی بستیاں اور گھر اور محلات یونہی تباہ و برباد نہیں ہوئے۔ ان کے پیچھے بہت بڑے واقعات اور داستانیں ہیں۔ ان لوگوں کے قصے جنہوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانات باقی رکھے تاکہ یہ لوگوں کیلئے عبرت بنیں۔ یہ بے مقصد قائم نہیں ہیں۔

لیکن ایک مسئلہ یہاں پر غور طلب ہے کہ قرآن مجید خدا کی طرف سے بھیجی جانے والی آخری کتاب ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ جبکہ قرآن مجید میں صرف اور صرف وہی تذکرے ہیں جو عرب اور اس کے قرب و جوار عراق، شام، فلسطین وغیرہ۔ تو باقی دنیا کا کیا ہوا ہو گا؟

محترم حضرات قرآن صرف ایک خطے تک محدود نہیں بلکہ اس کا پیغام پوری دنیا کیلئے ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کیلئے نبی بنائے گئے ہیں اور قرآن میں جو کچھ ہے وہ تمام انہی کیلئے ہے۔ جیسے قرآن میں ارشاد ہوا۔

1- اور ہر امت کی طرف رسول بھیجا گیا۔ یونس 47

2- اور ہر قوم میں ایک ہادی ہوا۔ رعد 7

3- اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے۔ فاطر 24

چنانچہ انبیاء کی وساطت سے اقوام عالم پر خدا کا پیغام واضح کر دیا جاتا تھا۔ اور اس کا مقصد ایک ہی ہوتا تھا۔ یعنی خدائے واحد کی عبادت۔

مولانا عبدالماجد دریابادی ”قصص و مسائل“ میں لکھتے ہیں۔

”قرآن مجید کلام الٰہی ہے لیکن اس کے ساتھ دنیا کی ایک اہم ترین علمی کتاب مطالعہ کے قابل، مسلم کے بھی اور غیر مسلم کے بھی۔ ان تیس پاروں کے اندر ”اللہ اکبر“ کیا کچھ بھرا ہوا ہے۔ توحید و رسالت کے عقیدے بھی ہیں۔ روح اور جزائے عمل کے مسئلے ہیں۔ فقہ و قانون کی دفعات ہیں۔ معاشرت و اخلاق کی تعلیمات ہیں۔ سیاسیات کے ضابطے ہیں۔ پچھلوں کیلئے ہدایتیں ہیں۔ اشخاص کے تذکرے ہیں۔ اعمال پر تبصرے ہیں۔“

”تذکرہ کیا ہے۔ کہاں کا ہے۔ یہ شخص کون ہے۔ یہ قوم کونسی ہے۔ ہر واقعہ جو پیش آیا کس کیفیت کے ساتھ پیش آیا۔ تاریخ اپنی روشن کی کوئی کرن ان واقعات پر روشنی ہے؟ جغرافیہ کوئی نشان ان مقامات کا اپنے نقشہ پر بتاتا ہے؟“

”قرآن بیان کرتا ہے کہ تاریخ شہادت دیتی ہے اسلام سے قبل جتنے بھی پیغمبر آئے سب اپنی یا دوسری کسی ایک ہی قوم کی جانب۔ اپنے یا دوسرے کسی ایک ملک کیلئے۔ بائبل میں بھی ذکر صرف اسرائیلی انبیاء کا آتا ہے جو قوم بنی اسرائیل کیلئے آئے یا پھر ان چند انبیاء کا جو اس قوم کے اسلاف اور مورثوں یا عزیزوں میں تھے۔ حضرت ہودؑ صرف اور صرف قوم عاد کیلئے تھے۔ لیکن قرآن نے آکر صاف دعویٰ کیا کہ میرا پیغام کل دنیا انسانیت کیلئے ہے۔ میری مخاطب نسل آدم ہے۔“

اور ان لوگوں کیلئے بھی کہ جن کے پاس اس سے بیشتر رسول آچکے تھے۔ اور ان لوگوں کیلئے بھی کہ جن کے پاس رسول مدتوں سے نہیں آئے تھے۔

''اے اہل کتاب۔ ایسی حالت میں کہ رسولوں کا ظہور مدتوں سے
بند تھا۔ ہمارا رسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمہارے پاس آیا۔ تم پر
(احکام حق) واضع کر رہا ہے۔ تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہماری طرف
کوئی نہیں بھیجا گیا۔ نہ تو (ہدایت کی) بشارت دینے والا اور
ڈرانے والا تمہارے پاس آ گیا ہے (یعنی تمہارے لئے کوئی عذر
باقی نہیں رہا) اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔'' 5/19

اور انکے لئے بھی جن تک ابھی رسول نہیں پہنچے تھے۔

''(اے پیغمبر اسلام) ہم نے تمہیں اس لئے کتاب دی ہے تا کہ
تم ان قوموں کو (بد عملی اور برکرداری کے نتائج سے) ڈراؤ۔ جن
کے آبا اپنی بدکرداریوں کے نتائج سے نہیں ڈرائے گئے تھے۔
چنانچہ وہ اور انکی اولادیں ابھی تک غافل چلے آ رہے ہیں۔''
63/3-2

مندرجہ بالا دو آیات مقدسہ سے ہمیں یہ پتہ چلا کہ نبی آخرالزمانؐ و قرآن پوری کائنات کیلئے ہیں۔ چنانچہ جب قرآن غور و فکر کی بات کرتا ہے تو یہ پوری کائنات کے لوگوں کیلئے ہے۔ صرف خاص علاقے یا نسل یا قوم کیلئے نہیں بلکہ اس کا مخاطب پوری نسل انسانیت ہے۔

اور جب یہ کلام عرب میں پڑھا جائیگا تو ان کیلئے جو قصص واقعات ہیں وہ وہاں ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے اور جب یہ کلام ایشیا' چین' افریقہ' روس' امریکہ' اسٹریلیا غرض دنیا کے کسی خطے میں پڑھا جائیگا' ان کیلئے عرب کے قصص و واقعات کے علاوہ ان کے اپنے علاقے یا خطے سے ملنے والے آثار قدیمہ اور برباد بستیوں کی داستان بھی نشان عبرت ہو گی۔

اور آج کے انسان کیلئے یہ بات ثبوت کے طور پر بہت کافی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی خطہ ایسا نہیں کہ جہاں پر تہذیبوں نے جنم لیا ہو۔ کوئی ایسا براعظم نہیں کہ جہاں آثار قدیمہ

نہ ملے ہوں۔ اور ویسی ہی کہانیاں ہیں جیسے عرب والوں کی تھیں اور ویسے ہی بت ہیں جیسے عرب والوں کے تھے۔ وہ بھی مٹ گئے یہ بھی مٹ گئے اور صرف وہی لوگ باقی رہے جو توبہ کر چکے تھے۔ مگر کچھ مدت کے بعد لوگ بھول جاتے ہیں جیسے آدم نے جنت میں باوجود انتباہ کے ممنوعہ شجر کھایا (کیونکہ وہ خدا کا پیغام بھول گئے تھے)۔

اور جب لوگ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انکی اصلاح کا بندوبست کرتے ہیں۔ جو لوگ مان لیتے ہیں وہ انعام پاتے ہیں اور جو لوگ نہیں مانتے وہ سزاوار ہوتے ہیں۔

اکتشافات اثریہ سے قرآن کا عالمگیر ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ جب قرآن نے تمام اقوام و علاقوں پر انبیاء کی بعثت کا ذکر کیا ہے گو انکی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔

جب قرآن نے ساری دنیا میں پڑھا جانا ہے تو یقیناً آثار کا برآمد ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اپنی آنکھوں کے سامنے بھی پرانی بستیوں کے آثار دیکھ سکتے ہیں اور عبرت پکڑ سکتے ہیں۔

اب جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا اور آج کی دنیا کے حالات بھی آپ کے سامنے ہیں' تو حضرات ذرا غور کیجئے کہ کیا ان آثار کا پوری دنیا میں ظاہر ہونا خدا کی طرف سے آخری تنبیہہ تو نہیں؟

> "(اے پیغمبر یہ قرآن بڑی) برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ جو لوگ عقل رکھتے ہیں (اس کے مطالب سے) نصیحت پکڑیں۔" (ص ع 3)

☆☆☆
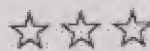
حصہ چہارم

داستان رنگین۔ انجام غمگین

آپ حصہ دوئم میں دنیائے عالم کا مختصر اور مکمل خاکہ پڑھ چکے ہیں کہ کیسے اثری اکتشافات کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا کہ انسان نے ابتدائی دور میں پتھر کے اوزار بنائے۔ یہ اسکی شاید پہلی کاوش تھی اور پھر بنی آدم کا مسلسل سفر جاری رہا' کبھی وہ کھیتی باڑی کے طریقے سیکھ رہا تھا اور کبھی جانوروں کو اپنے استعمال میں لا رہا تھا۔ کچے گھر بنا رہا تھا۔ غاروں میں پناہ لے رہا تھا۔ پھر راہنما انہیں سماجیات کی تعلیم دے رہے تھے و دیگر علوم فروغ پا رہے تھے۔ وہ تو خاکہ تھا کہ دنیا سے ملنے والے آثار سے تشکیل کردہ بنی نوع انسان کی ترقی کے ادوار کی تاریخ کا۔

زیر نظر حصہ میں ان انبیا کا ذکر کیا جائیگا جن کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے کہ ان کے بعثت کے وقت ان لوگوں کی حالت کیا تھی۔ انبیاء ان پر کیوں آئے اور ان کا انجام کیا ہوا۔

بلاشبہ انسانی تاریخ بڑی رنگین ہے اور یہ بنی آدم کا ہی خاصہ ہے اس نے داستان حیات کو دلکش و حسین بنایا ورنہ آدم سے پہلے جنات بھی تھے اور ملائیکہ بھی۔ لیکن وہ ان تمام ضروریات سے مبرا تھے جو بنی آدم کو پیش آنی تھیں۔ لیکن اس طویل اور عبرت انگیز داستان کے آغاز سے قبل یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس موضوع پر ہونے والے کام کا مختصر جائزہ لوں کہ کس دور میں کس انداز سے کام ہوا تا کہ قاری اس سے مستفید ہو سکے۔

مندرجہ ذیل تحقیق جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ''معجم القرآن'' سے نقل کی گئی ہے۔ یہ وہ تفاسیر و کتب تاریخ ہیں جن میں انبیاء و قدیم آبادیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

1- کتاب البلدان۔ ہشام بن محمد کلبی (206ھ)

2- کتاب جزیرۃ العرب۔ ابوسعید اصمعی (213ھ)

3- کتاب المیاہ والجبال والارضین۔ سعدان بن مبارک تقریباً" (300ھ)

4- کتاب المناہل والقریٰ۔ ابوسعید حسن السکری (300ھ)

5- صفتہ جزیرۃ العرب۔ ابن حائک ہمدانی (320ھ)

6- کتاب البدء والاخبار۔ ابوزید بلخی (340ھ)

7- کتاب الاودیہ والجبال۔ حسن بن محمد الخالع (380ھ)

8- کتاب جزیرۃ العرب۔ ابوسعید حسن السیرافی (368ھ)

9- کتاب الامکنتہ۔ محمود بن عمر زفحشری (538ھ)

10- مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنتہ و البقاع۔ سیوطی (910ھ)

11- کتاب المسالک والممالک۔ ابن خرداذبہ (250ھ)

12- کتاب البلدان۔ ابن فقیہ ہمدانی (290ھ)

13- کتاب البلدان۔ یعقوبی (300ھ)

14- کتاب المسالک والممالک۔ اصطغری (340ھ)

15- مروج الذہب۔ مسعودی (364ھ)

16- کتاب المسالک والممالک۔ ابن حوقل (362ھ)

17- معجم البلدان۔ یاقوت حموی (625ھ)

18- آثار البلاد۔ زکریا قزوینی (پ 674ھ)

19- نزہتہ المشتاق فی اختراق الافاق۔ ادریسی (545ھ)

20- تقویم البلدان۔ ابوالفدا (732ھ)

مندرجہ ذیل تفاسیر میں بھی اشخاص و بلدان کا ذکر ملتا ہے۔

21- تفسیر۔ ابن عباس (68ھ)

22- تفسیر۔ امام مالک (179ھ)

23- تفسیر۔ اسحاق بن ابراہیم عرف ابن راہویہ (238ھ)

24- تفسیر۔ امام بقی بن مخلد اندلسی (276ھ)

25- تفسیر۔ محمد بن جریر الطبری (310ھ)

26- تفسیر۔ ابوبکر محمد بن القاسم الانباری (328ھ)

27- تفسیر۔ احمد بن محمد بن سعید نیشاپوری (353ھ)

28- تفسیر۔ ابوالقاسم بن احمد بن ایوب الطبرانی (365ھ)

29- تفسیر۔ نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی (393ھ)

30- تفسیر۔ خلف بن احمد سیستانی (395ھ)

31- تفسیر۔ ابواسحاق احمد بن ابراہیم نیشاپوری

32- تفسیر۔ مکی بن ابی طالب القیسی القیروانی (437ھ)

33- تفسیر۔ عبداللہ بن محمد اجہانی الہروی (481ھ)

34- تفسیر۔ راغب اصفہانی (502ھ)

35- تفسیر۔ اسماعیل بن محمد اصفہانی (535ھ)

36- تفسیر۔ فخرالرازی (606ھ)

37- تفسیر۔ ابن الجوزی بغدادی (597ھ)

38- تفسیر۔ شیخ ابن العربی (638ھ)

39- تفسیر۔ شمس الدین الجوزی (654ھ)

40- تفسیر۔ ابن نقیب مقدسی (668ھ)

41- تفسیر۔ امام ابن تیمیہ حرانی (728ھ)

42- تفسیر۔ علامہ علی بن عبدالکافی السبکی (756ھ)

43- تفسیر۔ حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمرابوالفدا دمشقی عرف ابن کثیر(774ھ)

44- تفسیر۔ جلال الدین سیوطی (911ھ)

45- تفسیر۔ (روح المعانی) علامہ آلوسی (1270ھ)

46- تفسیر۔ (المنار) علامہ رشید رضا (1950ء کے قریب)

47- تفسیر۔ (الجواہر) علامہ جوہر طنطاوی (1962ء)

48- تفسیر۔ (حقانی) مولانا عبدالحق دہلوی (1335ھ)

49- تفسیر۔ (تفہیم القرآن) مولانا سید ابوالاعلی مودودی

بعض علماء نے اشخاص پر الگ کتابیں لکھی ہیں۔

50- قصص الانبیاء۔ امام علی بن حمزہ الکسائی

51- قصص الانبیاء۔ سہیل بن عبداللہ التستری

52- قصص الانبیاء۔ محمد بن عبدالملک المسجی الحرانی

53- قصص القرآن۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

54- کتاب الہدیٰ۔ مولانا محمد یعقوب حسن

55- تاریخ انبیاء۔ علی شیر نوائی

56- انبیاء قرآن۔ محمد جمیل احمد

57- انوار انبیاء۔ کتاب منزل، لاہور۔

اس کے علاوہ تین اور بہت اچھی کتابیں ہیں جو ان موضوعات کو زیر بحث لاتی ہیں۔

58- اعلام القرآن۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی

59- ارض القرآن۔ سید سلیمان ندوی

60- جغرافیہ قرآن۔ انتظام اللہ شہابی

یہ فہرست مرتب کرتے وقت انتہائی اختصار سے کام لیا گیا ہے ورنہ اس کام کیلئے بھی علیحدہ سے ایک جلد چاہیے۔ بہرحال قاری ان کے مطالعہ سے اندازہ کر سکتا ہے کہ اس موضوع پر بے شمار کام پہلے کیا جا چکا ہے۔

لیکن زیر نظر کتاب کو علماء اسلام کی تحقیقات کو سامنے رکھ کر اور دنیا میں ہونے والی اکتشاف اثریہ کو مد نظر رکھ کر تحریر کیا گیا ہے۔ اور اس میں تصاویر بھی دی جا رہی ہیں تاکہ جب کوئی بھی اس کا مطالعہ کرے تو شواہدات کو بھی ایک نظر دیکھ سکے۔ اور اپنے آپ کو ان زمانوں کے بہت قریب محسوس کر سکے۔ تب اس کتاب کو لکھنے کا مقصد حل ہو جاتا ہے۔

حصہ چہارم کو پانچ داستانوں میں تقسیم کیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والا باآسانی بات کو سمجھ سکے اور مقصد بعثت انبیاء' ان کی قوموں ' ان کے نشانات یعنی آثار قدیمہ اور عذاب کی قسموں کے بارے میں جان سکے۔

-1 **داستان اول**

(حضرت آدمؑ سے طوفان نوحؑ تک کا سفر۔

-2 **داستان دوئم**

طوفان نوحؑ کے بعد سے حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ تک کر سفر۔

-3 **داستان سوئم**

حضرت یعقوبؑ سے حضرت موسیٰؑ تک کا سفر۔

-4 **داستان چہارم**

حضرت یوشعؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کر سفر۔

-5 **داستان پنجم و آخر**

آمد مصطفیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

ذیل میں تفصیل بیان کرنے سے پہلے انبیاء قرآن کی تفصیل دی جا رہی ہے۔ یہ فہرست قرآن مجید فرقان حمید' معجم البلدان' قصص القرآن اور انبیاء قرآن مولفہ محمد

جمیل احمد کتاب الہدیٰ مولفہ یعقوب حسن اور معلومات قرآن مولفہ انتظام اللہ شہابی کو مدنظر رکھ کر تیار کی گئی ہے۔

اس میں جناب علامہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قصص القرآن میں انبیاء کی ترتیب تھوڑی مختلف دی ہے۔ باقی حضرات نے تقریباً" ایک جیسی ترتیب دی ہے۔ چنانچہ جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق، جناب محمد جمیل احمد اور انتظام اللہ شہابی و یعقوب حسن کی دی ہوئی ترتیب سے ہی مضمون ہذا کو مکمل کیا جائیگا۔

فہرست انبیاء قرآن بہ ترتیب زمانہ۔

1- حضرت آدم علیہ السلام
2- حضرت ادریس علیہ السلام (علامہ سیوہاروی نے انہیں حضرت نوحؑ کے بعد لکھا ہے)
3- حضرت نوح علیہ السلام
4- حضرت ھود علیہ السلام
5- حضرت صالح علیہ السلام
6- حضرت ابراہیم علیہ السلام
7- حضرت لوط علیہ السلام
8- حضرت اسماعیل علیہ السلام
9- حضرت اسحاق علیہ السلام
10- حضرت یعقوب علیہ السلام
11- حضرت یوسف علیہ السلام
12- حضرت ایوب علیہ السلام (علامہ سیوہاروی نے انہیں حضرت سلیمانؑ کے بعد لکھا ہے)
13- حضرت شعیب علیہ السلام
14- حضرت موسیٰ علیہ السلام
15- حضرت ہارون علیہ السلام (حضرات نے انہیں حضرت موسیٰؑ سے قبل لکھا ہے لیکن انکو نبوت حضرت موسیٰؑ کے بعد ملی قرآن میں ثابت ہے)

16- حضرت یوشع علیہ السلام
17- حضرت حزقیل علیہ السلام (مصنف انبیاء قرآن۔ محمد جمیل احمد نے انہیں حضرت داؤدؑ کے بعد لکھا ہے)
18- حضرت الیاس علیہ السلام (محمد جمیل احمد نے انہیں حضرت سلیمانؑ کے بعد تحریر کیا ہے)
19- حضرت الیسع علیہ السلام (جناب انتظام اللہ شہابی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے انہیں تحریر نہیں کیا)
20- حضرت شموئیل علیہ السلام (جناب انتظام اللہ شہابی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے انہیں تحریر نہیں کیا۔ جبکہ محمد جمیل احمد نے انہیں حضرت یوشعؑ کے بعد تحریر کیا ہے)
21- حضرت داؤد علیہ السلام
22- حضرت سلیمان علیہ السلام
23- حضرت یونس علیہ السلام
24- حضرت ذوالکفل علیہ السلام
25- حضرت عزیر علیہ السلام
26- حضرت زکریا علیہ السلام
27- حضرت یحییٰ علیہ السلام
28- حضرت عیسیٰ علیہ السلام
29- حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں یہ بات بھی تحریر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان افراد نے جتنے انبیاء کا ذکر کیا ہے ان کی تعداد درجہ ذیل ہے۔

1- علامہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ 29
2- جناب انتظام اللہ شہابی۔ 26
3- ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ 26
4- جناب محمد جمیل احمد۔ 41 اس میں اسرائیلی انبیاء جن کا ذکر بائبل میں ہے شامل کیے گئے ہیں)

جبکہ قرآن مجید میں جن انبیاء، قوموں، اشخاص، علاقوں، اصحاب کو ناموں سے پکارا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

انبیاء اکرام

1- حضرت آدم علیہ السلام۔ زمانہ نامعلوم
2- حضرت ادریس علیہ السلام۔ زمانہ قبل از تاریخ
3- حضرت نوح علیہ السلام (آدم ثانی)۔ تقریباً 3500 قبل مسیح تا 2500 قبل مسیح
4- حضرت ہود علیہ السلام۔ تقریباً 2500 قبل مسیح تا 2400 قبل مسیح
5- حضرت صالح علیہ السلام۔ 2400 قبل مسیح تا 2300 قبل مسیح
6- حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ 1930 قبل مسیح تا 1755 قبل مسیح
7- حضرت لوط علیہ السلام۔ 1890 قبل مسیح تا 1750 قبل مسیح
8- حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ 1848 قبل مسیح تا 1707 قبل مسیح
9- حضرت اسحاق علیہ السلام۔ 1830 قبل مسیح تا 1707 قبل مسیح
10- حضرت یعقوب علیہ السلام۔ 1762 قبل مسیح تا 1625 قبل مسیح
11- حضرت یوسف علیہ السلام۔ 1697 قبل مسیح تا 1589 قبل مسیح
12- حضرت ایوب علیہ السلام۔ پندرھویں صدی قبل مسیح
13- حضرت شعیب علیہ السلام۔ پندرھویں صدی قبل مسیح
14- حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ 1301 قبل مسیح تا 1181 قبل مسیح
15- حضرت ہارون علیہ السلام۔ 1304 قبل مسیح تا 1181 قبل مسیح
16- حضرت حزقیل علیہ السلام۔ گیارھویں صدی قبل مسیح
17- حضرت الیاس علیہ السلام۔ گیارھویں صدی قبل مسیح
18- حضرت الیسع علیہ السلام۔ گیارھوین صدی قبل مسیح
19- حضرت داؤد علیہ السلام۔ 1034 قبل مسیح تا 924 قبل مسیح
20- حضرت سلیمان علیہ السلام۔ 924 قبل مسیح تا 992 قبل مسیح

21- حضرت یونس علیہ السلام۔ آٹھویں صدی قبل مسیح
22- حضرت ذوالکفل علیہ السلام۔ آٹھویں صدی قبل مسیح
23- حضرت زکریا علیہ السلام۔ پہلی صدی قبل مسیح
24- حضرت یحییٰ علیہ السلام۔ 1ء تا 30ء
25- حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ 1ء تا 33ء
26- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

چنانچہ جناب انتظام اللہ شہابی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی بھی یہی تعداد اور ترتیب ہے جبکہ مولانا حفظ الرحمٰن نے باقی تین انبیاء کا ذکر جو زائد کیا ہے وہ اس حوالے سے کہ ان کے نام تو قرآن پاک میں نہیں آئے لیکن ان کی اہمیت بھی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت یوشعؑ کہ جن کی سرکردگی میں بنی اسرائیل ارض مقدس میں داخل ہوئے۔ جبکہ جناب محمد جمیل احمد نے انبیاء قرآن کے ساتھ ساتھ انبیاء بائبل کو بھی شامل کیا ہے۔ لیکن تحریر ہذا میں صرف انبیاء قرآن کا ذکر کیا جائے گا۔

اصحاب

1- اصحاب السفینہ — حضرت نوحؑ کی کشتی میں سوار لوگ۔
2- اصحاب الحجر۔ — حضرت صالحؑ کے لوگ۔
3- اصحاب الرس۔ — کنویں والے لوگ۔ (تحقیق نامکمل)
4- اصحاب ایکہ۔ — حضرت شعیبؑ کے لوگ۔
5- اصحاب السبت — بنی اسرائیل کے لوگ، جو چھٹی کے دن مچھلی کا شکار کرتے تھے اور عذاب الٰہی سے انکی شکلیں بندروں جیسی ہو گئی تھیں۔
6- اصحاب القریہ۔ — ان لوگوں کی طرف تین پیغمبر بھیجے گئے۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت عیسیٰ کے حواری تھے اور بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

7- اصحاب الکہف والرقیم۔ سورہ کہف میں اس کا ذکر آیا ہے کہ یہ تقریباً" تین سو برس غار میں سوتے رہے۔ واقعہ یوں کہ کہ روم کے بادشاہ دقیوس کے زمانے میں چند نوجوان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی بن گئے تھے اور بادشاہ کے خوف سے غار میں چھپ گئے تھے۔ تو بادشاہ نے غار کا منہ بند کرا دیا۔ جب کافی عرصہ بعد غار کا منہ کھلا تو یہ لوگ زندہ ہوئے۔

8- اصحاب الاخدود۔ تقریباً" 523ء میں حمیری بادشاہ نے 20 ہزار عیسائیوں کو زندہ جلا دیا تھا اور وہاں کے لوگ خوش ہو رہے تھے۔ اللہ نے ان جلانے والوں پر لعنت بھیجی۔

9- اصحاب الفیل۔ ابرہہ نے ہاتھیوں کے ساتھ خانہ خدا پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علی وسلم کی ولادت با سعادت سے تقریباً" 40 روز قبل پیش آیا تھا۔

علاقے / شہر / جگہیں

1- احقاف۔ قوم ھودؑ کا مسکن۔

2- ادنیٰ ارض۔ (روم)

3- امام مبین۔

4- بابل۔

5- بکہ / البلد / بیت العتیق / بیت اللہ۔

6- طور۔

7- مجمع البحرین۔

8- مدین۔

9- مسجد اقصیٰ۔

10- مصر۔

اشخاص۔

1- ابن مریم (حضرت عیسیٰ)
2- ابن نوح
3- ابن آدم (ہابیل و قابیل)
4- ابویہ (یعقوب و راحیل)
5- افتک (اخت موسیٰ)
6- اخت ہارون
7- اخوان یوسف (بنو اسرائیل)
8- حاج ابراہیم (شاہ بابل نمرود)
9- امراۃ زکریا (الیسع)
10- امراۃ تملکھم (ملکہ بلقیس)
11- امراۃ العزیز (زلیخا)
12- امراۃ عمران (والدہ مریم)
13- امراۃ فرعون (ملکہ آسیہ)
14- ام موسیٰ
15- جالوت۔ طالوت نے جالوت کو شکست دی تھی۔
16- جبارین
17- حواری۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواری
18- حام (ابن نوح)
19- ذوالقرنین
20- سامری
21- طالوت۔ نبی اسرئیل کا بادشاہ۔ اس کے بعد حضرت داوٗدؑ بادشاہ بنے۔
22- عزیز (مصر)

23- عجوز (زوجہ لوط)

24- فرعون

25- قارون

26- لقمان

27- ماروت و ہاروت

28- ہامان۔ فرعون کا وزیر۔

29- الذی آیتناہ ایاتنا (اعراف 175) "اے رسول تم انہیں اس شخص کا حال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیات دی تھیں۔ اور وہ ان سے منحرف ہو گیا۔ چنانچہ شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور وہ بھٹک گیا۔" (نام۔ بلعم باعور۔ بنی اسرائیل کا ایک عالم)

اقوام

1- قوم نوح

2- قوم عاد، ارم ذات العماد

3- قوم ثمود، عاد ثانیہ

4- آل ابراہیم

5- بنی اسرائیل

6- یاجوج ماجوج

7- یہود

8- تبع

نقشہ سرزمین انبیاء قرآن

داستان اول

حضرت آدمؑ سے طوفان نوحؑ تک کا سفر

داستان اول کہاں سے شروع کی جائے اس بات کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ جہاں تک اس کائنات کی تخلیق کا مسئلہ ہے کہ یہ کب اور کن حالات میں وجود میں آئی اور اس اس کی مدت یعنی آغاز کا تعین کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن موجودہ دور کے سائنس دان اپنے طور پر اس جدوجہد میں مصروف عمل ہیں۔ لہٰذا زیر نظر داستان میں اس موضوع پر بحث نہیں کی جائیگی بلکہ آثار قدیمہ سے ملنے والی اشیاء سے حاصل شدہ نتائج کو مد نظر رکھ کر ان داستانوں کو مکمل کیا جائیگا۔

ایک زمانہ تھا جب کرہ ارض پر بڑے بڑے دیو ہیکل قسم کے جانور جن کو آج کی زبان میں ڈائنوسارس کہتے ہیں ان کے متحجر (فوسل) آثار ملتے ہیں اور یہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں سال قدیم ہیں۔ مگر ماہرین آثار قدیمہ کو ان ادوار میں انسانی آبادی کا سراغ نہیں ملتا۔

لیکن ماہرین آثار قدیمہ کی کوششوں سے انہیں ایتھوپیا کے علاقے ہدار میں ایک ایسی عورت کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا ہے جس کا قد تقریباً" 4 فٹ اور اس کا ڈھانچہ آج کی عورت جیسا ہے اور ماہرین نے اس زمانے کا تعین تقریباً" آج سے 30 لاکھ سال قبل کا کیا ہے۔ جبکہ ایتھوپیا سے ہی اس انسان جیسی مخلوق نے پتھر کے اوزار تراشے۔ ماہرین نے ان اوزار کا زمانہ تقریباً" 20 لاکھ سال قبل کا کیا ہے۔

چونکہ یہ لوگ ساری دنیا میں پھیلے اس لئے اس قسم کے اوزار تقریباً" دنیا کے بے شمار خطوں سے ملتے ہیں۔ اور تقریباً" 80 ہزار سال قبل یہ بہتر شکل میں بننے شروع ہوتے ہیں اور تقریباً" 35 ہزار سال قبل کے خوبصورت پتھر کے چاقو منظر عام پر آتے ہیں۔

اسی طرح 10 لاکھ سال پہلے والے نیم کھڑے ہونے والے انسان کی کھوپڑی جاوا سے ملتی ہے۔ 3 لاکھ سال پہلے کی کھوپڑی یونان (Greece) سے ملتی ہے۔ 2 لاکھ سال پہلے کی کھوپڑی زمبیا (Zambia) سے ملتی ہے اور پھر فلسطین کے علاقے سے تقریباً" 60 ہزار سال سے 40 ہزار سال قبل کے زمانے کی کھوپڑی اور جسے ماہرین بالکل سیدھا کھڑا ہونے والا انسان تسلیم کرتے ہیں۔ ذرا پچھلے ابواب کو ذہن میں رکھیں کہ اس علاقے کو اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس کہہ کر پکارا ہے۔ یقیناً تاریخی حوالے سے بھی ہمیں ایسے شواہدات ملتے ہیں اور یہی وہ زمانہ ہے جب باقاعدہ سے 80 ہزار سال قبل مسیح میں جنوب مغربی ایشیا جو مصر، عرب، فلسطین، عراق، اناطولیہ وغیرہ میں انسانی آثار ملتے ہیں۔ یہیں پر ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ علاقہ اپنے تہذیبی کارناموں کے لحاظ سے سب سے زیادہ قدیم ہے اور انہی علاقوں میں سب سے پہلے شہری ریاستوں نے جنم لیا اور باقاعدہ سیاسی و سماجی زندگی کا آغاز ہوا۔

چنانچہ یہ بات علم آثار قدیمہ کے ذریعے ثابت ہوئی کہ انسان کے جنم سے لیکر آج تک بے شمار ثقافتی ترقیاں ہوئی ہیں۔ لیکن ایک بات جو میرے ذہن میں ہے وہ یہ کہ غیر مسلم ماہرین یہ کہتے ہیں کہ انسان پہلے سیدھا نہیں چلتا تھا بلکہ وحشی انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن قرآن مجید میں آیا ہے کہ آج کا انسان مثل آدم ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ جیسے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ جیسے

تھے اور حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ جیسے تھے۔ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ جانور سے انسان بنا ہو۔

چنانچہ پہلے حصہ میں تخلیق آدمؑ کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے اس لئے یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک بات لکھتا چلوں کہ مسٹر ڈارون انسان تھا جس نے یہ نظریہ دیا کہ انسان پہلے بندر تھا اس کے بعد انسان بنا۔ بالکل غلط ہے۔ یعنی وہ چوپاؤں کی طرح چلتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے ترقی کی اور دو پاؤں پر کھڑا ہونے والا انسان بن گیا اور بعد میں اس نے اوزار بنائے کھیتی باڑی کی اور یوں ترقی کرتا کرتا خلا کی سیر کرنے کے قابل ہو گیا۔

مگر ایسا ہرگز نہیں۔ جانور کی جبلت ضرور ہوتی ہے لیکن اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور تخلیقی قوت ہرگز نہیں ہوتی۔ آپ غور کریں کہ چڑیا گھونسلا بناتی ہے۔ آپ سو سال پہلے کا گھونسلا دیکھ لیں اور آج کا دیکھ لیں۔ کوئی فرق نہیں ہو گا۔ اگر انسان نے زمانے کے ساتھ ساتھ سیکھا ہے تو پھر اب تک تو چڑیا یا بندر کو بھی اینٹوں کا مکان بنا کر رہنا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ نہ تو انکے اخلاقی ضابطے ہوتے ہیں اور نہ کوئی طریقہ تخلیق۔ بس انہوں نے تو ایک ہی ڈگر پر چلنا ہے۔

جب کہ انسان کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اسے تو خاص مقصد کیلئے تخلیق کیا گیا ہے اور آج کے انسان کی طرح مکمل پیدا کیا گیا ہے۔ اس لیے مسٹر ڈارون کی تقلید کرنے والوں کو خدا کے پیغام پر غور بھی کرنا چاہئے۔

پس انسان کی تخلیق ہوئی۔ اسے جنت سے نکال دیا گیا اور زمین پر بھیج دیا گیا تا کہ وہ ان مقاصد کیلئے تکمیل کرے جس کیلئے اسے پیدا کیا گیا۔ شواہدات گواہ ہیں کہ جو علم اسے عنایت کیا گیا اس سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

ابتدائی زمانہ پتھر کا ہے۔ شکار کا ہے۔ اولاد آدم جنگلی پودوں پر گزر کر رہی ہے۔ سلسلہ نسل و تناسل جاری و ساری ہے۔ شروع میں آدمؑ کی اولاد میں آپس میں شادی اس طرح کی جاتی تھی کہ ایک توام سے پیدا ہونے والے جوڑے کی شادی دوسرے توام سے پیدا ہونے والے جوڑے کے ساتھ کر دی جاتی تھی اور یوں زندگی کا

سفر رواں دواں تھا۔ بنی آدم کھاتے پیتے اور خدا کی عبادت کرتے۔ ایک زمانہ گزر گیا۔ پھر ایک نیا واقع ہوا' سماجی نظام کو توڑنے کا۔ اس واقعہ کو قرآن نے بیان کیا۔

جزو اول

پھر قرآن مجید میں پہلے قصے کا ذکر ہوا۔

"اور ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کی خبر پڑھ کر سناؤ۔" 27/5

یہ قصہ حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل سے متعلق ہے۔ اس زمانے میں یہ رواج تھا یا اس وقت نسل انسانی کے فروغ کیلئے حضرت آدمؑ و حوا کے ہاں ایک توام سے پیدا ہونے والے جوڑے (لڑکی اور لڑکے) کی دوسرے توام سے پیدا ہونے والے جوڑے (لڑکی اور لڑکے) کی آپس میں شادی کر دی جاتی تھی۔ لیکن قابیل کہ جس کی بہن ہابیل کی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی اس نے ہابیل کی بہن سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا حضرت آدمؑ نے دونوں بیٹوں کو کہا کہ قربانی دو اور جس کی قربانی قبول ہو جائے گی اس کی شادی اس کی مرضی کے مطابق کر دی جائے گی۔

مگر خدا کے بنائے ہوئے قوانین کمزور نہیں ہوتے کہ انہیں توڑا جا سکے۔ لہٰذا دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی قربانی اونچی جگہ پر رکھی اور ہابیل کی قربانی منظور ہو گئی یعنی آسمان سے آگ آئی اور قربانی کو جلا دیا۔ چنانچہ دستور کے مطابق ہابیل کی شادی قابیل کی بہن سے کر دی۔

قابیل نے جو قدرت کا قانون توڑنا چاہا تھا اس کی نفی ہوئی۔ مگر ساتھ ہی اس میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور حسد کی یہ آگ بھڑکانے میں بہمیت کے مادے نے کام دکھایا اور دوسرا شیطان! جو انسان کا ازلی دشمن ہے' نے اسے گمراہ کیا۔ چنانچہ جب برائی کے مادے اکٹھے ہو گئے تو قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ یہ دنیائے انسانیت کا پہلا قتل تھا۔ لیکن قابیل تو اس قابل بھی نہ تھا کہ قتل کے بعد لاش کو کیا کرے۔ تو روایات میں درج ہے کہ ایک کوے نے زمین کرید کر اپنے ساتھی مردہ کوے کو دفن کیا

تو پھر قابیل نے بھی ویسے ہی کیا اور بہت پشیمان ہوا۔ روایات میں ہے کہ مقتل ہابیل جبل قاسیون ہے جو دمشق میں ہے۔

چنانچہ قرآن مجید نے اس قصے کو بیان کیا تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ قانون قدرت اٹل ہوتے ہیں۔ اور شخصیات اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ مادہ بہمیت جب اپنا رنگ دکھاتا ہے تو انسان ملعون ٹھہرتا ہے۔ اور اس کا ہر وہ فعل جو مادہ بہمیت کے غلبہ کے زیر اثر ہوتا ہے ناحق ہوتا ہے۔ ہابیل کا قتل، قتل ناحق تھا۔

وقت مسلسل سفر کرتا رہا۔ معاشرہ بنتا گیا۔ دنیا مختلف خطوں میں پھیلتی گئی۔ لیکن ایک بات یہ بھی ہوئی کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں لیکن قابیل نے جب دیکھا کہ آگ نے ہابیل کی قربانی کو جلا کر قبولیت بخشی ہے اور اس پر مادہ بہمیت کا غلبہ تھا اور وہ صحیح سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے قاصر ہو گیا تھا۔ تو اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آگ ہی طاقت ہے۔ چنانچہ اس نے آگ کی پوجا شروع کر دی۔ اس طرح ایک نئی برائی نے جنم لیا۔ اس لئے برائی کی ایجاد سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ جب کوئی چیز تخلیق ہوتی ہے تو وہ پھیلتی ضرور ہے۔ اور اس کا گناہ لازم اس کے موجد کو بھی جاتا ہے۔

اس کے بعد دنیا کا سلسلہ رواں دواں ہوا۔ قابیل کے ہاں بھی اولاد ہوئی اور دوسرا نام جو ملتا ہے وہ جناب شیث کا ملتا ہے۔ اور جتنے بھی تذکرے قرآن میں انبیاء کے ملتے ہیں وہ انہی کی اولاد سے ہیں۔

جزو دوئم

ابھی معاشرت کی تشکیل پوری طرح نہیں ہوئی تھی۔ آبادی بڑھ رہی تھی۔ لوگ اپنی ضرورت کے مطابق شکار کرتے تھے۔ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ غاروں میں رہتے تھے۔ جانوروں کو سدھانا شروع کر رہا تھا۔ لوگ پتھر کے زمانے سے تھوڑا آگے آ گئے تھے۔ شاید کوزہ گری بھی شروع ہو چکی تھی۔

لیکن ایک چیز کی کمی تھی یعنی وہ تھی شہری زندگی کے اصولوں کا تعین چونکہ آبادیاں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ تو دنیا کو اب ایسے راہنما کی ضرورت تھی کہ جو انہیں مدنیت کے اصولوں کا درس دے اور لوگ اس پر عمل پیرا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت ادریسؑ کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔

علماء کے نزدیک آپ مصر کے موضع منف میں پیدا ہوئے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ آپ بابل میں پیدا ہوئے تھے۔ بہرحال جب چند لوگوں نے گروہ کی شکل اختیار کی اور پھر گروہ، قبیلوں اور قبیلے قوم کی شکل اختیار کر گئے اور ان کی اصلاح کیلئے کوئی راہنما موجود نہ تھا اور وہ اپنی من مانی کرتے تھے۔ جس سے ایک پاک صاف معاشرے کا قیام ممکن نہیں تھا۔ تو حضرت ادریسؑ لوگوں پر خدا کی شریعت کے ساتھ مبعوث کر دیئے گئے۔ آپ کی شریعت کے چند اصول مندرجہ ذیل تھے۔

1- خدائے واحد کا اقرار و عبادت۔
2- عذاب آخرت سے بچنے کیلئے عمل صالح۔
3- دنیوی دلچسپیوں سے اعراض۔
4- انصاف، نماز، روزہ کی پابندی۔
5- دشمنان مذہب سے جہاد۔
6- غلاظت سے اجتناب۔

آپ پہلے نبی ہیں جنہوں نے خدا کے حکم سے انسانوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا۔

☆ اول کاہن
☆ دوئم بادشاہ
☆ سوئم عوام

آپ سیاست مدنی کا عظیم شاہکار تھے۔ روایات میں ہے کہ اس زمانے میں دنیا میں 72 زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام زبانیں سکھلا دی تھیں۔ آپ جس جگہ اور جن لوگوں کے درمیان جاتے تو وہاں پر سیاست مدنی کا درس دیتے۔

حضرت ادریسؑ جب کئی منازل طے کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز کیا۔ آپ نے لوگوں کو دعوت حق دی اور سرکشی کے نتائج سے آگاہ کیا۔ لیکن مادہ بہمیت لوگوں میں زیادہ جمع ہو گیا تھا۔ لوگ صدیوں سے ان باتوں پر عمل پیرا تھے جو خدا تعالیٰ کو ناپسند تھیں۔ اور وہ نبی کی دعوت کو اس لئے ٹھکرا رہے تھے کہ ان کے آباو اجداد تو کسی اور چیز کی عبادت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اب یہ نبی ان کو کیا تعلیم دے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ سرکشی پر اتر آئے تو آپ نے وہاں سے مصر کی طرف ہجرت کی اور وہاں نیکی کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپؑ کے چار مشہور شاگرد تھے۔ آپؑ نے دنیا کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور چاروں کو ایک ایک حصے کا بادشاہ مقرر کر دیا۔

آپ نے تمام دنیا کی سیاحت کی اور 82 سال کی عمر میں واپس آئے۔ اسی سیاحت کے دوران آپؑ نے لوگوں کو سیاست مدنی کی طرف راغب کیا۔ آپکی ہدایت پر 188 شہر آباد ہوئے جن میں سب سے چھوٹا شہر "رہا" تھا۔

آپ بہت سارے علوم کے بانی تھے جن میں حکمت و ہیت، علم نجوم، علم طب، ریاضی، فن کتابت، ناپ تول کا نظام، فن اسلحہ سازی و جامہ دوزی وغیرہ شامل ہیں۔ آپؑ پر 30 الہامی کتابیں نازل ہوئیں۔

حضرت ادریسؑ نے جہاں سکونت اختیار کی وہاں پر بڑے بڑے معابد تعمیر کروائے جن میں تمام صنعتوں کو بصورت تصویر واضع کیا۔ یہ عمل اس لئے کیا کہ آپؑ نے طوفان نوح کی خبر دی تھی اور اس لئے محفوظ کر لیا کہ اس طوفان میں یہ علوم اگر ضائع ہو جائیں تو ان کا طریقہ کار باقی رہ جائے جن سے لوگ بعد میں استفادہ حاصل کر سکیں۔

جب آپؑ اپنا کام ختم کر چکے۔ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دے چکے۔ لوگوں کو سیاست مدنی سے روشناس کروا چکے تو لوگوں سے فرمایا کہ جب تم اپنے اعمال سے ہٹ جاؤ گے تو پھر تم پر نبی آئیگا۔ اگر تم اس کی بات نہیں مانوں گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ آپ آسمانوں پر چلے گئے۔

پھر زندگی اپنی رعنائیوں کی طرف چل نکلی۔ حضرتؑ ادریسؑ نے انہیں نئے علوم عطا کیے تھے۔ وہ ان میں مگن ہو گئے۔ نئی نئی ایجادات کرنے لگے۔ زندگی اپنی

پوری رعنائیوں اور جوبن پر تھی۔ حضرت ادریسؑ کے ایک شاگرد اسقل بیوس کو آپؑ کے بچھڑنے کا بہت غم ہوا تو اس نے حضرت ادریسؑ کی رفع جسمانی کی تصویر بنا ڈالی جو بت پرستی کا موجب بنی۔ اس سے قبل قابیل نے آگ کو طاقتور سمجھ کر اس کی پوجا کرنی شروع کر دی تھی۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اس دعوت حق کو بھول گئے تو اللہ تعالٰی نے ایک اور نبی کو مبعوث فرمایا۔ جن کا نام قرآن میں ہمیں "نوحؑ" ملتا ہے۔

جزو سوئم

بعض مفسرین نے ان کا زمانہ مختلف درج کیا ہے۔ کسی نے 3880 قبل مسیح درج کیا ہے تو کسی نے 4500 قبل مسیح۔ مگر حالیہ اثری انکشافات میں پتہ چلتا ہے کہ آپؑ کا زمانہ ولادت تقریباً" 3500 قبل مسیح ہے۔ کیونکہ ماہرین آثار قدیمہ نے عراق کے علاقے میں جب کھدائیاں کیں تو انہیں تقریباً" 11 فٹ اونچی سیلابی مٹی کی تہہ ملی اور پھر اس کے نیچے پرانی بستیوں کے آثار ملے۔ ماہرین کے خیال کے مطابق مٹی کی اس تہہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیلاب پچیس تیس فٹ اونچا تو ضرور ہو گا۔ اس سیلاب کی تاریخ کا اندازہ ماہرین آثار قدیمہ کے خیال کے مطابق 2900 قبل مسیح کا ہے اور قرآن مجید میں آیا ہے کہ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو برس زندہ رہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ بوقت طوفان آپ کی عمر مبارک 600 برس تھی تو اس طریقے سے ولادت تقریباً" 3500 قبل مسیح بنتی ہے اور وفات تقریباً" 2550 قبل مسیح۔

شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب "قصص الانبیاء کے رموز" میں لکھتے ہیں۔

> "آپ زور آور قوت حیوانیہ کے مالک تھے۔ جن کی طرف مبعوث ہوئے ان کی اکثریت کی قوت حیوانیہ زور آور تھی ان پر جو شریعت آئی وہ بھی قوت حیوانیہ پر غالب آ کر انسانیت کو اجاگر کرنے والی تھی۔ جیسے نماز' روزہ اور دوسری عبادات کی کثرت و

دوام۔ اس قوم کا میلان چونکہ قوت بہیمہ سے مناسبت رکھنے والی چیزوں کی طرف تھا اس لئے انہوں نے حکمت منزلی اور اکتسابی کی باریکیوں اور نکات زیادہ متسنبط نہ کیے۔"

اس سے آگے تحریر کرنے سے پہلے ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض دفعہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی عمر 950 برس کیسے ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک میں یہ جو دن بیان کیے گئے ہیں یہ کسی اور تقویم سے ہو سکتے ہیں اور ہے بھی صحیح کہ ہم نے کوئی ایسی مثال نہیں دیکھی۔

لیکن میرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید ساتویں صدی عیسوی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہ وہ دور ہے کہ جب دن رات اور سال متعین ہو چکے تھے اور قرآن مجید تو ہے ہی حکمت والی اور آسانی سے سمجھ آنے والی کتاب۔ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ساتویں صدی کے حساب کے علاوہ کسی اور زمانہ کے منٹوں گھنٹوں اور سالوں کی بات ہوتی۔ چونکہ قرآن بات کو سمجھاتا ہے۔ الجھاتا نہیں۔ اس لئے قرآن میں جو لکھا ہے وہ بلاشبہ درست ہے۔ اور حضرت نوحؑ کی عمر مبارک 950 برس ہی تھی۔

آپؑ جس قوم پر مبعوث ہوئے اس کا مسکن اسریا (عراق) کا علاقہ موصل تھا۔ اور جودی جہاں پر طوفان نوح کے بعد کشتی ٹھہری تھی وہ سلسلہ کوہ ارارات کی ایک چوٹی تھی۔ جبل ارارات کا سلسلہ آرمینیہ سے ارض روم طرابزون تک پھیلا ہوا تھا۔ چوٹی موصل کے علاقے میں دریائے دجلہ کے مشرقی جانب واقع ہے۔ اب یہاں کرد قوم آباد ہے۔ آپؑ کی قوم بت پرست تھی اور بتوں کی تعداد پانچ تھی۔

-1	ود۔	مرد کی شکل کا بت۔
-2	سواع۔	عورت کی شکل کا بت۔
-3	یغوث۔	شیر کی شکل کا بت۔
-4	یعوق۔	گھوڑے کی شکل کا بت۔
-5	نسر۔	عقاب کی شکل کا بت۔

جب آپؑ نے اپنی قوم کو تبلیغ کرنی شروع کی تو لوگوں نے ان کی بات نہ مانی۔ وہ لوگ ایسے زور آور تھے کہ انہوں نے آپؑ کے احکامات کو یکسر نظرانداز کر دیا۔

قرآن مجید نے آپ کی آمد کا مقصد اس حوالے سے بیان کیا ہے کہ آپؑ اپنی قوم کو بتائیں کہ ان کا خدا ایک ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت کریں اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ لیکن قوم کے سرداروں کا جواب تھا کہ اے نوحؑ تم گمراہ ہو چکے ہو۔ حضرت نوحؑ نے ان کو جواب دیا "میں پروردگار کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں اور اسی کا پیغام تمہیں سناتا ہوں۔" لیکن ان لوگوں نے آپؑ کی ایک نہ سنی۔

قرآن میں آیا ہے "بے شک وہ لوگ آنکھوں کے اندھے تھے" کیونکہ حضرت نوحؑ سے قبل بھی اس قوم پر نبی و رسول مبعوث ہو چکے تھے۔

"لیکن قوم نوحؑ نے رسولوں کی تکذیب کی۔" 26/104

حضرت نوحؑ کی قوم فاسق و فاجر تھی۔ بت پرستی کرتی تھی۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ "انہوں نے ارتفاقات اور باہمی معاشرت و معیشت کے امور بگاڑ دیئے تھے اور انکا اللہ کی طرف جانے کا راستہ بند ہو گیا اور وہ انسانیت کی حقیقت سے خارج ہو گئے۔"

اس سے قبل ہابیل و قابیل کی مثال ہمارے سامنے آئی کہ قابیل نے خدا کے مقرر کردہ قانون کی پاسداری نہ کی۔ دوسری مثال حضرت ادریسؑ کی تھی کہ انہوں نے ارتفاقات کا علم دیا۔ اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تم خدا کے بتائے ہوئے اصولوں کی پاسداری نہ کرو گے تو یقیناً ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ ایک عرصہ بعد لوگ پھر گمراہ ہو گئے۔

قوم نوح اتنی ظالم و سرکش تھی کہ بدستور نافرمانیاں کرتی چلی آ رہی تھی اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں اور اصولوں کی مسلسل تکذیب کر رہے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے مطابق حضرت نوحؑ کو اس قوم میں بھیج کر باور کرایا اور مائل بہ احکام خدا ہونے کا آخری موقع دیا۔ قرآن میں آیا ہے کہ

"پھر نوحؑ نے کہا کہ پروردگار سے معافی مانگو۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان کی دھاریں چھوڑ دے گا اور مال اور بیٹوں

میں تجھے بڑھائے گا اور تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا اور
تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔" (12, 11, 10/71)

لیکن اس واضع اور کھلی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے قوم نوح نے جواب دیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تیرے سوا چند لوگوں نے تیری اتباع کی ہے لہٰذا ہم تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔

اور یوں حضرت نوحؑ کا یہ سلسلہ تبلیغ و رشد و ہدایت چھ سو سال کے ایک طویل ترین اور صبر آزما عرصہ تک چلتا رہا۔ حضرت نوحؑ نے رات دن اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا لیکن ان لوگوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی ہوئی تھیں۔ انہوں نے تکبر کیا۔ جب حضرت نوحؑ عذاب سے ڈراتے تو وہ لوگ مذاق کرتے اور کہتے اے نوحؑ اب تو عذاب لے ہی آ۔ ہم تیری تبلیغ سے تنگ آ چکے ہیں۔

اور پھر وہ وقت آ گیا کہ جب خدا حد سے زیادہ گزر جانے والوں کا انجام عبرت ناک کرتا ہے۔

حضرت نوحؑ نے اپنے رب سے دعا کی اے میرے رب! میں نے چھ صدیاں انکو تمہاری عبادت اور پیغام کی طرف بلایا (یہ ارباب اختیار یعنی قوم کے حاکم۔ حتیٰ کہ قوم جو اپنے حکمرانوں سے ڈرتی تھی اور ڈر کی وجہ سے حق کا ساتھ نہیں دیتی تھی) مگر ان پر کوئی اثر نہیں تو ان کافر لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔

اللہ تعالیٰ نے قوم نوحؑ کے سرکش لوگوں کو ملعون قرار دے دیا۔ وہ ان سے سخت ناراض ہوا اور انکی ہلاکت کا فیصلہ کر لیا۔ اور بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ "ان کو ڈرانا اور حق کی راہ دکھانا اللہ کی حکمت میں ضروری تھا۔ اگر وہ ایک قوم سے ایک زبان میں ناراض ہو جاتا ہے تو دوسری زبان میں ان پر عنایات بھی نہیں چھوڑتا۔"

چنانچہ اللہ نے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ کشتی لکڑی اور میخوں سے بناؤ۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔

"اس کشتی کو جہاں والوں کیلئے ایک نشانی ٹھہرایا۔ (15/29) کشتی لکڑی اور کیلوں والی تھی۔ (13/54) ہم نے اسے نشانی کے طور پر رہنے دیا۔" (15/54)

جب حضرت نوحؑ کشتی بنا رہے تھے تو لوگ ٹھٹھہ کرتے اور کہتے کہ دیکھو یہ ہم پر عذاب لائے گا۔ جب کشتی تیار ہو چکی تو اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ تو اپنے ماننے والوں کو اس میں سوار کر اور ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ تاکہ بعد میں بھی یہ رہیں۔

الغرض آسمان سے پانی برسا۔ زمین سے سوتے جاری ہو گئے اور برے لوگ غرق ہو گئے اور نیک لوگ بچا لئے گئے۔ یہ لوگ بہت قلیل تعداد میں تھے۔ آخر کار چالیس روز بعد جب طوفان تھما تو کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری۔ تو حضرت نوحؑ نے کشتی سے اتر کر قربانی دی اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اس وقت آپکی عمر مبارک چھ سو برس ہو چکی تھی۔

آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے آدم ثانی بنایا اور ان سب رسل میں پہلے رسول تھے جن کو عنایات الٰہی کا خادم بن کر بھیجا گیا اور یہ کام ذمہ لگائے گئے۔

1- لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا۔
2- شریعتوں پر عمل کرانے کا امر۔
3- کافروں سے جھگڑنا۔
4- اور اس چیز کیلئے تدبیر کرنا جس کا اقتضا عنایت کرے۔

یعنی ان سب امور میں انبیاء کا طریقہ حضرت نوحؑ پر ختم ہو جاتا ہے اور حضرت نوحؑ کی امت، پہلی امت ہے جو (لوگوں) کی ہدایت کیلئے مبعوث کی گئی ہے۔

چھ لاکھ سال سے دو لاکھ سال پہلے کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں (وسطی جاوا و زمبیا سے)
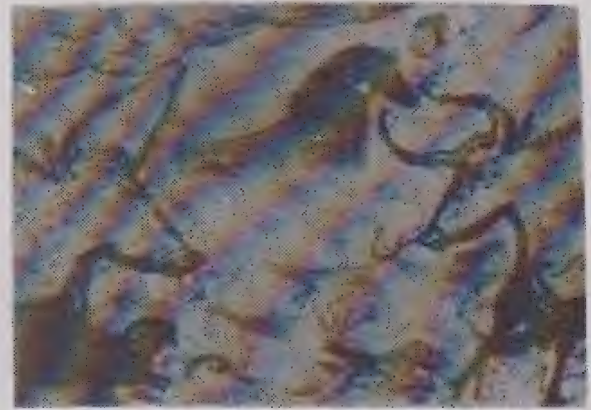
غاروں میں رہنے والے انسان کا فن۔ فرانس کے ایک غار سے
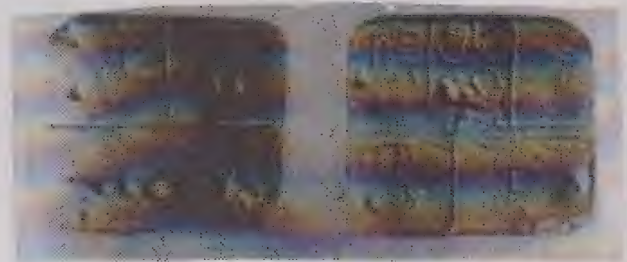
طوفان نوح سے قبل فن تحریر کا ایک انداز (کش)

آج کی عورت اور تین ملین سال قبل کی عورت۔ ایتھوپیا سے ملنے والا 4 فٹ کا ایک عورت کا ڈھانچہ۔

موآب کے پہاڑوں کا منظر۔ جریحو۔ یہاں سے جنگلی گندم کے پودوں کے ابتدائی شواہد ملے ہیں۔
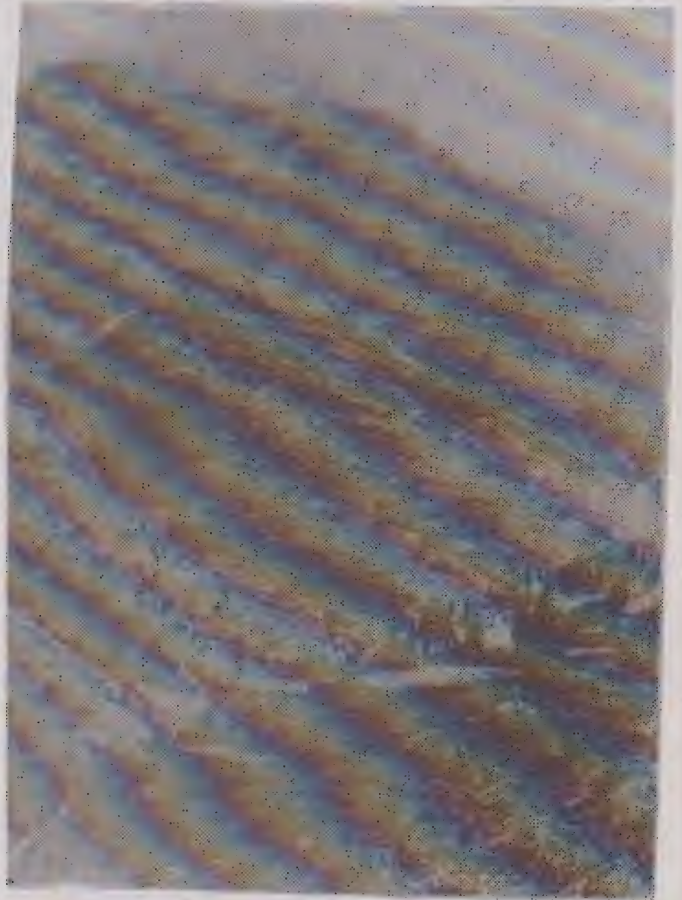
کوہ طارس کا علاقہ۔ یہاں پر ابتدائی آبادیاں پھلی پھولیں۔

کارمل کے پہاڑی علاقے کی ایک غار سے ملنے والا تیس ہزار سال قبل مسیح کے ایک انسان کا ڈھانچہ

حضرت نوحؑ سے قبل اور حضرت ادریسؑ سے بعد کا دور (عراق کا علاقہ)

کاشتکاری کے ہتھیار

حضرت نوحؑ سے قبل اس قسم کے معابد موجود تھے (اریڈو کا معبد)

طوفان نوح سے قبل فن تحریر کا نمونہ (نپور)

طوفان نوح سے قبل فن تحریر کا نمونہ (نپور)

تیراندازی میں استعمال ہونے والے پتھر (انڈونیشیا)

نپور شہر کا مٹی کی اینٹ پر بنا ہوا نقشہ

ارارات کا پہاڑی سلسلہ جہاں پر حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری تھی۔
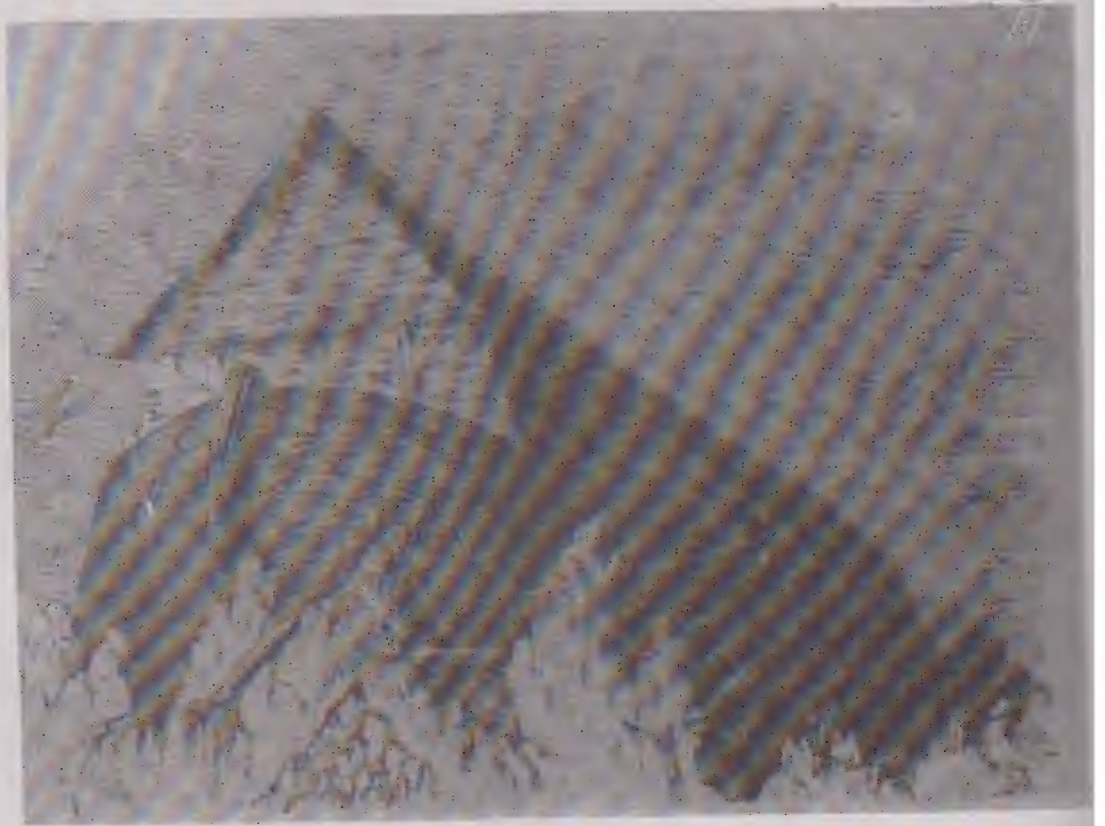
پہاڑ کی چوٹی، جودی پر کشتی نوح کا قیام
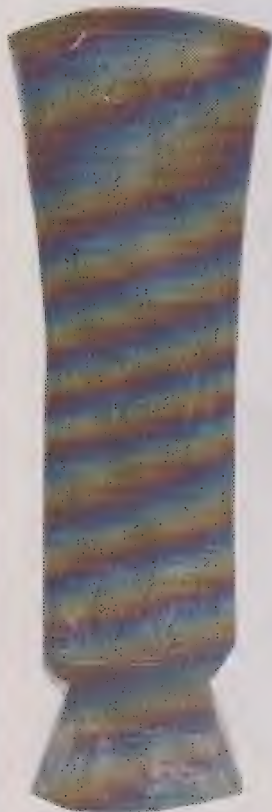
قبل از طوفان نوح۔ 3 فٹ اونچا ایک برتن، جس پر مذہبی رسومات کندہ ہیں۔

داستان دوئم

طوفان نوحؑ کے بعد سے حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ تک کر سفر

جب خدا کا وعدہ پورا ہو چکا۔ (اور خدا یقیناً اپنے وعدے پورے کرتا ہے) طوفان میں برے اور سرکش لوگ ختم ہو گئے تو پھر حضرت نوحؑ نے پھر سے نئی زندگی کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آدم ثانی بنایا۔ جب پھر سے دنیا پھلنے پھولنے لگی تو حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹوں حام، سام اور یافث میں علاقے تقسیم کر دیئے۔ سام کو عرب کا علاقہ ملا۔ یافث یورپی اقوام کا سربراہ اور حام افریکی اقوام کا جد اعلیٰ بنا۔

سید سلیمان ندوی اپنی کتاب "ارض القرآن" میں لکھتے ہیں۔ "تاریخ ارض القرآن (عرب) کو جن قوموں سے تعلق ہے وہ عموماً" سامیہ ہیں۔" ام سامیہ کیا چیز ہیں؟ اس کی حقیقت، تفصیل ذیل سے واضع ہو گی۔

علم الاقوام اور علم الالسنہ کے محققین نے اقوام عالم کو اخلاق، عادات، اعتقادات اور زبان کے اتحاد و تشابہ اور جسم، اعضاء اور دماغ کی مماثلت کے لحاظ سے تین مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔

1- اریانی (اریین-انڈویوریپن) مثلاً" ہندوستان' ایران' فرنگستان۔
2- تورانی (ٹیرنین یا منگلولین) مثلاً" ترکستان' چین' منگولیا وغیرہ۔
3- سامی (سمٹیک) مثلاً" عرب' آرامی' عبرانی' سریانی' کلدانی' فنیشین وغیرہ۔

بعض علماء اقوام عالم کی علم الالوان یعنی اختلاف رنگ کی بنا پر تین تقسیمیں کرتے ہیں۔

1- جنس ابیض۔ عام امم سامیہ و فرنگستان۔
2- جنس اسود یا احمر۔ باشندگان افریقہ۔
3- جنس اصفر۔ جاپان و چین و بقیہ امم تورانیہ۔

تیسری تقسیم توارت کی ہے۔ طوفان نوحؑ کی زندگی ثانی کے بعد وہ بھی دنیا کی تمام قوموں کو تین تین خاندانوں میں تقسیم کرتی ہے۔ حضرت نوحؑ کے تین بیٹے تھے۔ یافث' حام' سام۔ تمام دنیا ان ہی کو تین نسلوں کی یادگار ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

بنو یافث

یافث کی سات اولادیں ہوئیں۔ عامر' ماجوج' مادی' یادان' توبال' موشوخ' تیرس۔

بنو حام۔

حام کی چار اولادیں ہوئیں۔

1- کوش (پدر حبش)۔ مصرائم (پدر مصر)۔ کنعان (فیبقہ) اور فوط۔ کوش سے سبا' حویلہ' سبتاہ' رگماہ' سیگاہ پیدا ہوئے۔ کوش کی نسل سے نمرود کا خاندان پیدا ہوا جو بابل کا پہلا بادشاہ تھا۔
2- مصرائم سے لودی' انامی لہیبی' نافوتی' فطروسی' کفتوری اور کسلوہی جس سے فلسطین کا خاندان پیدا ہوا۔
3- کنعان سے صیدا' حتی' یابوسی' عموری' جرجاشی' ہوی' ارکی' سینی' ارودی' سیماری' حماتی پیدا ہوئے۔ (یہ عموماً" شام کے باشندے تھے جن میں سے شہر صیدا اور حماۃ اب تک انکی یادگار باقی ہیں)

بنو سام۔

سام کے پانچ بیٹے تھے۔ عیلام ' ارفخشد ' لود ' اشور (اسیریا) اور آرام۔

ابن قتیبہ کے مطابق۔

"سام بن نوح نے درمیانی زمین یعنی ملکہ ' اطراف ملکہ مثلاً" یمن ' حضرموت ' عمان ' بحرین ' یبرین ' وبار ' دو اور دہنا تک آباد کیا۔"

چنانچہ طوفان کے بعد حضرت نوحؑ کی اولاد مختلف خطوں میں پھیلی اور پلی بڑھی۔ طوفان کے بعد حضرت نوحؑ تقریباً" تین سو پچاس برس تک زندہ رہے۔

چنانچہ طوفان کے بعد دنیا ایک نئی امنگ کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ یہیں سے مسیح کی پیدائش سے تقریباً" اڑھائی ہزار سال قبل عرب لوگ بابل ' اسیریا ' مصر ' کنعان (فونیشیا) میں پھیلے۔

امم سامیہ میں سے ایک مقتدر قبیلہ عاد تھا۔ یہ قبیلہ قوم کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ یہ عاد بن عوض بن ارم بن سام کی اولاد سے تھا۔ ان کا زمانہ عروج و حکومت تقریباً" 2500 سال قبل مسیح سے 2400 سال قبل مسیح کا ہونا چاہئے۔

اس قوم کا مسکن سرزمین احقاف تھا۔ یعنی یمامہ ' عمان ' بحرین اور مغربی یمن (یعنی عرب کے جنوب و شمال میں ہر دو طرف) درمیان میں ربع الخالی کے نام سے علاقہ واقع ہے۔ یہ ان دنوں آباد تھا اور قوم عاد کا مسکن تھا۔

اس قوم کی خوبیاں یہ تھیں کہ عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرتے تھے اور ہر ٹیلے پر کھیلنے کیلئے نشان بناتے تھے۔ کارخانے بناتے تھے اور سمجھتے تھے کہ شائد ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ قرآن مجید کی آیات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چوپائے اور بیٹے عطا کیے تھے۔ باغ اور چشمے دیئے تھے۔ یہ عاد اولیٰ بھی کہلائے۔ قرآن نے ان کو ارم ذات العماد بھی کہا ہے۔ پھر آگے آیا کہ عاد ' ارم کی اولاد سے تھے۔ بڑے ستونوں والے جن کی مانند سارے شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے۔

یہ نہایت زور آور قوم تھی۔ یہ قوم جنوب مشرقی عرب میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق اور جنوب میں حضرموت تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کو قوم نوحؑ کا خلیفہ بنایا گیا تھا۔ لیکن ان کے ساتھ کیا معاملہ تھا؟ وہی پرانا۔ ایک اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنا اور ان کو خدا کا شریک بنانے کا جرم۔

ان کا مذہب بت پرستی تھا۔ اس قوم کے ایک بت کا نام صمود اور دوسرے کا ہب اور تیسرے کا صمد تھا۔ یہ ایک عظیم قوم تھی۔ یمن سے بابل اور بابل سے مصر پر چھا گئی تھی۔ فارغ البال مرفہ حال' قدم قدم پر چشمے اور پھلوں سے لدے باغات۔ اولاد و مواشی کی کثرت۔ لیکن قوم نوحؑ کی طرح انہوں نے بھی بہت سے رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں جھٹلایا۔ اور آخرکار اللہ نے ان کی طرف سے ڈرانے والے رسول حضرت ہودؑ کو بھیجا۔ اور بقول شاہ ولی اللہ

> "ان کے ذاتی احوال ان کا کفر اور فسق میں رہنے کا حال۔ ان پر ملا اعلیٰ کا غضب ناک ہونا اور ہلاکت کا فیصلہ کرنا۔ قصہ حضرت نوحؑ سے ملتا جلتا ہے۔"

جب سرکشی و عصیان کی حد ہو گئی تو سنت اللہ کے مطابق پاداش عمل کا وقت آ گیا۔ حضرت ہودؑ کی بعثت ہوئی۔ انہوں نے قوم عاد کو کہا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم بت پرستی کو چھوڑو اور اسی اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا خالق و رازق ہے۔

لیکن انہوں نے وہی جواب دیا جو قوم نوحؑ نے دیا تھا۔ قوم عاد کے سرداروں نے کہا کہ تم جھوٹے ہو۔ حضرت ہودؑ نے کہا کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔ اس کے باوجود قوم عاد اپنے باپ دادا کے بتوں کو چھوڑنے کیلئے راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ظالم اور سرکش تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پھٹکار کی۔

عاد تکبر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم سے زور آور کون ہے۔ لیکن وہ شائد نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ زور آور ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ یوم آخرت سے بھی منکر تھے۔

بقول علامہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی "یہ بھی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی پوجا کرتے تھے اور ہر قسم کے شیطانی اعمال بے خوف و خطر کرتے تھے۔"

پھر عذاب کا وقت قریب آیا۔ حضرت ھودؑ بمعہ اپنے متبعین لوگوں کے وہاں سے نکلے اور بعد میں مسلسل آٹھ دن اور سات رات ان پر مسلسل آندھی مسلط کر دی گئی۔

بقول شاہ ولی اللہ۔

> "چونکہ ریت کے ٹیلے اور صحرا ان کا مسکن تھا اس ملک کی آب و ہوا خشکی اور گرمی کی طرف مائل تھی اور ایک زمانہ تک برسات بند ہو گئی تھی اور چوپائے ہلاک ہو گئے تھے۔ ان کیلئے عنایات ملکیہ کا ظہور ہوا تھا۔ انہوں نے ملکی عنایات کے احکام کو توڑا اور ملعون ہوئے۔"

چنانچہ تیز و تند ٹھنڈی سنائے کی ہوا ان پر چلائی گئی کہ جس پر کسی کا قابو نہیں چلتا تھا اور جس سے ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ اس ہیبت ناک آندھی کا طوفان ان پر مسلسل سات رات اور آٹھ دن آیا۔ جس سے بدبخت قوم ٹکرا ٹکرا کر اور سر پٹک پٹک کر ہلاکت ہو گی۔ یہ لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔ اور یوں یہ قصہ انجام کو پہنچا۔ جو لوگ دعوت حق کی طرف مائل ہوئے وہ وہاں سے نکال لئے گئے اور خدا کی طرف سے انعام کے حق دار بنے۔

جزو دوئم۔

تقریباً" سو سال کا عرصہ بیت گیا اور اس عرصے میں لوگوں نے مزید ترقیاں کیں۔ کچھ لوگ پیغام حق پر مائل رہے اور کچھ لوگ پھر انہیں راستوں پر چل نکلے جن کا انجام عذاب ہوتا ہے۔ انہی میں سے قوم ثمود تھی۔

اس قوم کا مسکن ساحل قلزم پر یثرب سے لیکر وادی القریٰ تک پھیلا ہوا تھا۔

ان کا دارالحکومت الحجر تھا۔ (یہ دومتہ الجندل سے جنوب کی طرف پہاڑ پر واقع ہے)۔ یہ ثمود کی اولاد سے تھے اور قوم عاد کے جانشین تھے۔ نہایت قوی الجثہ' طاقتور اور طویل العمر لوگ تھے۔

یہ لوگ فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فن سنگ تراشی کے بہت بڑے ماہر تھے۔ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر نہایت پر تکلف گھر بناتے تھے۔ آسودہ حال تھے۔ تجارت کرتے تھے۔ میدانوں میں رفیع و وسیع محلات تعمیر کرتے تھے۔ بے شمار دولت و ثروت تھی۔ ان کے پاس پر فضا باغات اور لہلاتی کھیتیاں تھیں۔ انہوں نے ستارہ شناسی کو فروغ دیا۔ ان لوگوں میں بہت خوبیاں تھیں۔

لیکن خرابیاں چند تھیں۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ آخرت سے انکار اور حیات بعد از موت کو نہیں مانتے تھے۔ انتہائی خود سر تھے۔ تکبر کرتے تھے اور ہر برائی کھلے عام کرتے تھے۔

قرآن مجید میں آیا۔

"قوم ثمود نے رسولوں کی بات جھٹلائی۔" 26/241

یعنی وہ رسولوں کی باتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان برائیوں سے اجتناب نہیں کرتے تھے جن سے انہیں منع کیا جاتا تھا۔ پھر وقت آگیا اور اللہ نے وعدہ کے مطابق ان پر ایک آخری ڈرانے والا بھیجا۔ یعنی حضرت صالحؑ۔ آپ نے تقریباً" 280 برس عمر پائی اور چھ پشتوں سے سلسلہ حضرت نوحؑ سے مل جاتا ہے۔ حضرت صالح نے قوم کے لوگوں کو دعوت حق دینا شروع کی اور لوگوں کو ڈرایا کہ وہ اپنے اعمال درست کر لیں۔ لیکن قوم تو ان کو دیوانہ سمجھتی تھی۔ قرآن میں آیا۔

"اس شہر میں 9 شخص تھے جو فساد پھیلاتے تھے۔ حتیٰ کہ خدا کے نبی کو بھی نہیں مانتے تھے اور اپنی اصلاح نہیں کرتے تھے۔" (48/27)

ایک اور جگہ آیا ہے کہ یہ 9 شخص اس شہر کے گورنر تھے۔ سب کے سب وہاں کے ذمہ دار آدمی تھے۔ لیکن انتہائی مفسد۔ ان کا سرغنہ سب سے بڑھ کر شقی و بدبخت تھا۔

چنانچہ حضرت صالحؑ نے جب دعوت انقلاب دی اور ان کو کہا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کرو۔ وہی عبادت کے لائق ہے اور حکومت بھی صرف اسی کی ہے۔ کسی اور کی نہیں۔ تو بجائے اس کے کہ وہ دعوت قبول کرتے انہوں نے حضرت صالحؑ کے خلاف سازشیں شروع کر دی۔ ایسے بدبخت لوگ تھے کہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز ہی نہ آتے تھے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو ہمیں کوئی نشانی دکھاؤ۔

بقول شاہ ولی اللہ۔

"اس قوم کے ذاتی احوال، کفر اور فسق میں رہنے کا حال ان پر ملا اعلیٰ کا غضبناک ہونا اور ہلاکت کا فیصلہ کرنا قصہ حضرت ھودؑ و حضرت نوحؑ سے ملتا جلتا ہے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر ایک اونٹنی بھیجی۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ یہ اونٹنی خدا کی طرف سے نشانی ہے۔ اگر اب بھی تم اپنے اعمال سے باز نہ آئے تو پھر تباہی آئے گی۔ لیکن یہ بات انکی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ لوگ آنکھوں کے اندھے اور کانوں کے بہرے تھے۔ اور دلوں پر کفر کے تالے لگے ہوئے تھے۔ کہتے تھے کہ صالحؑ کی اونٹنی ہمار سارا پانی ختم کر دے گی۔ چنانچہ انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اسے ہلاک کر دیا۔ یہ ظلم کی اخیر تھی اور پھر ظہور نتائج کا وقت آگیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ "عالم ملکوت میں شر حیوانی صورت میں ہوتا ہے۔ سب سے آخری شر دجال (انسان) کی صورت میں نمودار ہو گا۔ جب قوم صالحؑ نے اونٹنی کو قتل کر دیا تو شر چلا گیا اور طوفان آگیا۔"

چونکہ ثمود کے رہنے کی جگہ پہاڑ اور غار تھے۔ اللہ نے ان پر ہلاکت انگیز عذاب بھیجا۔ نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے انتہائی ہولناک چیخ اور زہرہ گداز کڑک۔ سب ہلاک ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "ان پر ہم نے چیخ بھیجی تو وہ کانٹوں کی روندھی ہوئی باڑ کی طرح ہو کر رہ گئے۔ زلزلے نے ان کے رہنے کے پہاڑ

شق کر دیئے جس میں دفن ہو کر رہ گئے۔" (31/54)

قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت صالحؑ نے مکہ معظمہ یا شام کی طرف ہجرت کی۔ ان کے ساتھ وہ لوگ تھے جو اللہ سے ڈرتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ "پھر صالحؑ الٹے پھرے اور بولے۔ اے قوم! میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ مگر تم خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے۔ (العمران)

مسند امام احمد بن حنبل' مسند حاکم اور صحیح بخاری وغیرہ کی روایتوں کے مطابق تبوک جاتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر جب ثمود کی ویران بستی پر ہوا تو آپؐ نے صحابہؓ کو حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی پیدائش اور چلنے پھرنے کی جگہ بتائی۔ اور جس کنویں سے اونٹنی پانی پیتی تھی اس کے سوا دوسرے کنوؤں سے پانی پینے کو منع فرمایا تھا۔ آخر یہ قصہ تمام ہوا۔ مگر دنیا نے تو ابھی کئی منازل طے کرنا تھیں۔

جزو سوئم۔

تین سو برس گزر گئے۔ ان تین سو برسوں میں جو حالات واقعات پیش آئے وہ آپ جانتے ہیں۔ پچھلے ابواب میں ذکر کیا گیا ہے۔ طوفان نوحؑ کے بعد دنیا میں قومیں پھیلیں ہجرتیں کیں۔ لوگ خدا کی عبادت نہ کرتے تو نبی و رسل آتے۔ نہ مانتے تو تباہی اور عذاب آتے۔

ادھر دنیا مسلسل ترقی کرتی رہی۔ بڑی بڑی عمارتیں' محلات' شہر' دیہات' سماجیات الغرض تمام شعبہ ہائے زندگی ترقی کر رہے تھے۔ لیکن دوسری طرف انبیاء کا سلسلہ بھی چلا آ رہا تھا۔ نبی و رسل دنیا میں رشد و ہدایت کیلئے مبعوث ہوتے ہیں۔ تو کیا وجہ تھی کہ لوگ پھر اس دعوت حق سے ہٹ جاتے تھے اور ایک خدا کی بجائے کئی بت تراش ملتے اور ان کی پوجا کرتے۔

بلاشبہ انسان کی بھول جانے کی فطرت' مادہ بہمیت کا زیادہ اور حاوی ہونا اور شیطان کا لوگوں کو ورغلانا اصل وجوہات ہیں۔ ورنہ کوئی شک نہیں کہ لوگ بہترین دماغ

رکھتے ہیں اور انہی کے دماغ کی اختراعوں سے بڑی بڑی تہذیبوں نے جنم لیا۔ دجلہ و فرات' دریائے نیل' وادی سندھ' دریائے زرد و بے شمار چھوٹی بڑی تہذیبیں ہیں جہاں انسانوں نے باکمال اختراعات و ایجادات کیں اور انکے شواہدات کھلے ثبوت کی طرح ہمارے پاس ہیں۔

جب عرب سے پہلی ہجرت ہوئی تو اس میں حضرت ابراہیمؑ کا خاندان بھی تھا جو عراق کے شہر ار میں آباد ہوا۔ یہ قصہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کا ہے۔ ان کا زمانہ حضرت صالحؑ سے تین صدیوں بعد کا ہے اور تقریباً" 1930 قبل مسیح سے 1755 قبل مسیح تک کا ہے۔ آپؑ نے تقریباً" 175 برس عمر پائی۔

اس وقت ار میں لارسا حکومت تھی۔ آپؑ کی بعثت صابی قوم پر ہوئی۔ ار اور حاران میں انکی مذہبی درسگاہیں اور عبادت گاہیں تھیں۔ یہ لوگ ستارہ پرست اور بت پرست تھے۔ آپ کی ولادت ایسے شخص کے گھر ہوئی جو نمرود وقت کی حکومت میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اور بت فروشی اس کا پیشہ تھا۔ لیکن حکمت کو کچھ اور ہی منظور ہوتا ہے۔

بقول شاہ ولی اللہ۔

"جب حضرت ابراہیمؑ اپنی قوت (جوانی) کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت عطا کی اور ان پر انکی جبلت منکشف ہوئی۔ انہوں نے ستارہ' سورج چاند کو دیکھا اور سمجھ گئے کہ پروردگار نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت کے معاملے میں غیرت والے تھے۔ آپ نے بت توڑ دیئے اور اسکی پاداش میں آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ آپؑ جھگڑے والے لوگوں سے سخت تنگ آ گئے۔ آپؑ نے ہجرت کی جہاں عبادت ممکن ہو۔

اللہ نے ان کو اس طرح کی تعلیم دینے سے ایک تقریب کا ارادہ فرمایا۔ جو یہ تھی کہ (قدیم) ملتیں باہم مختلف ہو گئی تھیں۔ مجوسیت میں تحقیق ختم ہو گئی تھی اور نجوم کی وجہ سے

شرک بڑھ گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نجوم کو مٹانے والے، توحید کی بات کرنے والے اور لوگوں کو اس تجلی کی طرف دعوت دینے والے ہوئے جو کہ القدس میں قائم تھی۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

"آپ نوحؑ کی جماعت سے تھے۔ مشرک نہیں تھے بلکہ مسلمان تھے۔ بردبار، نرم دل، شکرگزار، اللہ کے دوست، آخر میں نیک بخت اور صدیق تھے۔" (125/4, 114/9, 66/3, 83/37)

آپؑ کو جس قوم پر بھیجا گیا وہ لوگ سورج، چاند، ستاروں کی پوجا کرتی تھی۔ اور انہیں خدا کا شریک ٹھہراتی تھی۔ آپؑ نے سلسلہ رشد و ہدایت اپنے گھر سے شروع کیا اور اپنے والد سے کہا کہ اے باپ! شیطان کو نہ پوج۔ شیطان رحمان کا نافرمان ہے۔ لیکن آپؑ کے والد نے جواب دیا کہ بیٹا! ہم نے باپ داداؤں کو انہیں پوجتے دیکھا ہے۔ تو کیسی انوکھی بات کرتا ہے۔ آپؑ کا والد نہ مانا۔

پھر آپؑ نے حاکم وقت اور لوگوں کو دعوت توحید کی طرف بلانا شروع کیا کہ اے لوگو! اے حاکمان وقت! اللہ کے سوا تمام معبود جھوٹے ہیں۔ یہ پتھر کے بت تمہاری حاجت روائی نہیں کر سکتے۔

آپؑ نے نمرود وقت کے ساتھ مباہلہ کیا اور اسے لاجواب کر دیا۔ لیکن وہ اور قوم تو شیطان کی پوجا میں اتنے مگن تھے کہ انہیں سچی باتیں بھی جھوٹ لگتی تھیں۔ اب تو ان کیلئے اخیر ہو گئی تھی۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بت توڑ دیئے تو ان کو سزا دینے کیلئے نمرود وقت نے آگ کا ایک وسیع الاؤ تیار کرایا اور حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دیا۔ لیکن آگ خدا کے حکم سے گلزار بن گئی۔

اور یوں جب حضرت ابراہیمؑ نے محسوس کیا کہ یہاں رہ کر عبادت خداوندی ممکن نہیں ہے تو آپ نے بمعہ اپنے اہل خانہ اور حضرت لوطؑ کے، یہاں سے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور کنعان روانہ ہوئے۔ لیکن راہ میں حاران تک وہیں مقیم ہوئے۔

راہ میں شعار کے حاکم حمورابی (امرافیل) سے ملاقات ہوئی جس نے آپ کی بہت تعظیم کی یہ حمورابی بعد میں بابل کا بہت بڑا حکمران بنا۔ ہجرت کے وقت آپؑ کی عمر مبارک 75 برس تھی۔

کنعان میں جب قحط پڑا تو آپؑ نے مصر کی طرف ہجرت کی۔ وہاں کا حکمران آپؑ کا ہم نسب تھا اور شاید یہ مصر کا پہلا فرعون تھا۔ اس نے اپنی بیٹی حاجرہ حضرت سارہ کی خدمت میں دے دی۔

واپسی پر آپؑ وسطی فلسطین آ ٹھہرے۔ یعنی مصر اور فلسطین کی بڑی سڑک پر جبرون سے 27 میل پر۔ یہاں پر آپؑ نے سات کنویں کھدوائے اور درخت لگوائے۔ یہ مقام بیر سبع کہلایا۔ اسی جگہ پر آپؑ کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت اور حضرت لوطؑ کی بستیوں کی تباہی کی اطلاع ملی (یہ واقعہ بعد میں پیش کیا جائیگا)۔

جب قوم لوط اور انکی بستیوں کو تباہ کر دیا گیا تو پھر حضرت ابراہیمؑ کو اس کے نواح میں اس مرکز توحید کو ڈھونڈنا تھا جس کے وہ متمنی تھے۔

قرآن پاک میں اس کا ذکر آیا کہ خانہ کعبہ کی جگہ خدا نے مقرر کی۔ چنانچہ اس سے قبل آپؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت حاجرہ کو وادی غیر زی ذرع میں چھوڑ چکے تھے اور وہیں آپؑ نے خواب میں دیکھا کہ آپ حضرت اسماعیلؑ کو قربان کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے خواب حضرت اسماعیلؑ کو سنایا اور انہوں نے سر خم تسلیم کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربانی عظیم قبول ہوئی اور جنت سے دو مینڈھے بھیجے گئے۔

یہیں بیت العتیق تھا یعنی قدیم پرستش گاہ۔ یہاں ایک چمکتا پتھر رہ گیا تھا اس کو یادگار سمجھا۔ اس پتھر کے نیچے کھدائی کی تو وہاں سے قدیم بنیادیں نکلیں۔ انہی کو بلند کیا۔ چنانچہ تعمیر کعبہ کے بعد آپؑ واپس بیر سبع واپس آ گئے اور باقی عمر وہیں گزار دی۔

ایک بات یہاں قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ عراق کے قدیم شہر ار میں پیدا ہوئے جو اس وقت بت پرستوں کی آماجگاہ تھا۔ لوگ سورج' چاند ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ تو آپؑ نے دعوت توحید کا آغاز کیا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ ٹس سے مس نہیں ہو رہے تو انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔

یہ ایک نئی بات تھی کہ آپ کی تعلیمات ایک خاص علاقے تک محدود نہ تھیں بلکہ ایک بڑے علاقہ میں آپؑ نے دعوت رشد و ہدایت کیلئے سفر کیا۔ آپ پہلے حاران و فلسطین گئے وہاں سے مصر اور واپسی بیر سبع اور بیر سبع سے وادی غیر زی ذرع اور تعمیر کعبہ کے بعد واپس بیر سبع آ گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تبلیغ کو ایک وسیع علاقے تک پھیلایا۔

اور پھر قرآن مجید میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیمؑ کو بہت نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت اور بڑی سلطنت دی۔

حضرت اسحاقؑ، یعقوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، الیاسؑ، اسماعیلؑ و الیسعؑ، یونس و لوطؑ بے شمار نبی پیدا کیے۔ جو آل ابراہیمؑ سے تھے۔ یہ سب نیک بخت، ان انبیاء کے پاس کتاب، قوت فیصلہ اور نبوت تھی۔ اور سب سے بڑھ کر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن پر سلسلہ نبوت و رسل ختم ہو جاتا ہے اور پھر یہ نبی و رسول نہ صرف عرب کے علاقے کے بلکہ پوری دنیا اور پورے عالمین کیلئے نبی و رسول بنائے گئے۔

یہ قصہ تو یہاں ختم ہو گیا لیکن نئی راہوں نے جنم لیا۔ جن میں تعمیر کعبہ اللہ اور بعثت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم رحمتیں دنیا کو ملنا تھیں۔

جزو چہارم۔

یہ قصہ حضرت لوطؑ اور انکی قوم کا ہے۔ قوم لوط کا مسکن وادی یردرن میں تھا جو بحیرہ میت کے کنارے آباد تھی۔ یہ وادی کوہ طارس سے شروع ہوئی تھی۔ بڑی خوبصورت، سرسبز و شاداب آبادی تھی۔ لوگ خوشحال تھے لیکن وہی پرانی بیماری۔ بت پرستی اور برے کام اور قرآن پاک میں آیا۔

"لوطؑ کی قوم رسولوں کو جھٹلا چکی تھی۔" (160/26)

حضرت لوطؑ رسولوں میں تھے اور آپؑ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے برادر زاد تھے۔

بقول شاہ ولی اللہ۔ "انہوں نے ان سے ادب سیکھا تھا اور ان سے سنا تھا۔ یہ تعلیم آپؑ (لوطؑ) کے دل میں اچھی طرح بیٹھ گئی اور یہ انکی نیکیوں میں سے ایک نیکی تھی۔"

حضرت ابراہیمؑ کو وحی کے ذریعے اطلاع دی گئی کہ سدوم اور اس سے ملحقہ بستیوں کی قوم بڑی بدکردار ہے اور ناشائستہ حرکات کی مالک ہے۔ شہوانی گمراہی اور اغلام پرستی میں حد سے زیادہ تجاوز کر چکی ہے۔ للذا وقت آ گیا کہ انہیں ان کی بداعمالیوں پر ڈرایا جائے۔

لیکن ان پر بے حیائی اور نفس پرستی نے غلبہ کیا ہوا تھا اور انہوں نے ملک میں فساد برپا کیا ہوا تھا۔ اور وہ جسمانی لذتوں میں بہائم سے جا ملے تھے۔ لواطت' عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کی طرف راغب تھے۔ یہ لوگ بے غیرت اور آبرو باختہ تھے۔ رہزنی بھی کرتے تھے اور قرآن پاک میں بھی اس بات کا ذکر آیا۔

> "قوم لوطؑ: وہ ایسا کام کرتے تھے جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہ کیا۔ مردوں کی طرف راغب تھے یعنی حد سے نکل جانے والے لوگ۔" (28/27)

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ کو ان بستیوں میں ڈرانے اور خدا کا پیغام دینے کیلئے بھیجا۔ وہاں آپؑ نے دعوت تبلیغ شروع کی تو لوگ آپؑ کے خلاف ہو گئے اور آپؑ کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ چنانچہ جب معاملہ حد سے زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیمؑ کے پاس دو فرشتے بھیجے جنہوں نے حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خبر دی اور قوم لوط کی تباہی کے بارے میں بتایا۔ آپؑ نے فرمایا کہ وہاں تو میرا برادر زاد لوطؑ ہے تو فرشتوں نے جواب دیا کہ غم نہ کریں ان کو اور جماعت مومنین کو وہاں سے نکال لیا جائیگا۔

الغرض سدوم بمعہ پانچ بستیوں کے تباہ و برباد کر دیا گیا۔ زمین پر سخت زلزلہ بھیجا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش اور پتھر بھی ایسے کھنگر اور ان پر مجرمین کے نام لکھے ہوئے۔ للذا ایک ہولناک موت ان پر مسلط کر دی گئی اور یہ سب نافرمانوں اور

بے غیرتوں کے ساتھ ہوا۔ خدا نے ان کو سنگسار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان بستیوں کو موتفکات کے نام سے بھی پکارا ہے۔ اور یوں خدا نے بے غیرت انسانوں کو زندہ دفن کر دیا اور انہیں آئندہ آنے والوں کیلئے عبرت بنا دیا۔

چنانچہ یوں یہ قصہ یہاں ختم ہوا۔

مصر۔ طوفان نوح کے بعد مصر کی عظمت۔ زمانہ 2620-2480 قبل مسیح

طوفان نوح سے قبل اور بعد کے سومیری لوگوں کے بت۔ زمانہ 3000-2500 قبل مسیح

اناطولیہ سے ملنے والی اشیاء زمانہ 2300-2100 قبل مسیح
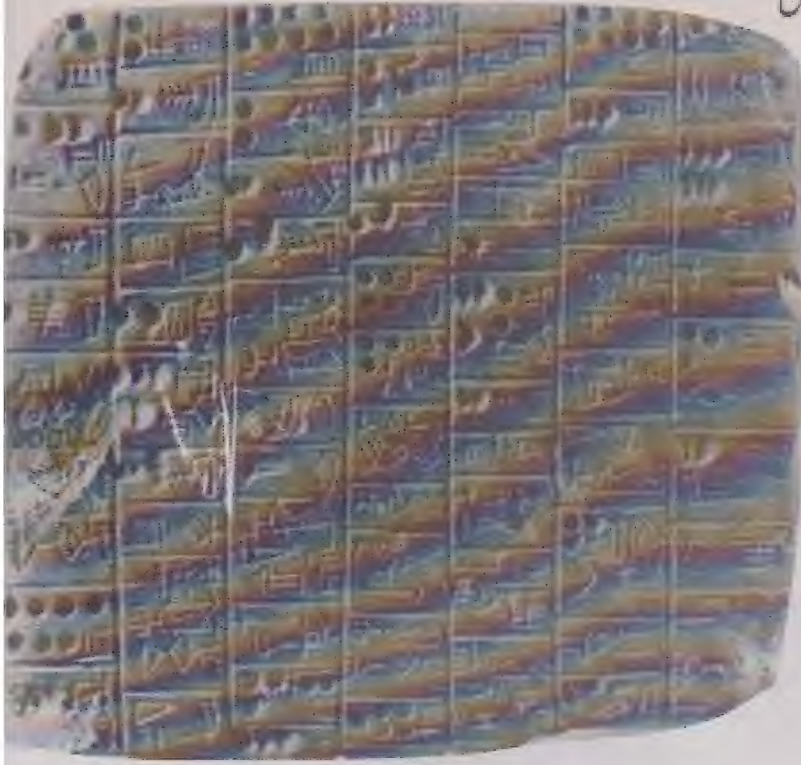
میسوپوٹامیہ کا فن تحریر۔ 2600-2500 قبل مسیح

ایک دیوی کا مجسمہ۔ 2080 قبل مسیح

مصریوں کے مقابر

پیٹرا
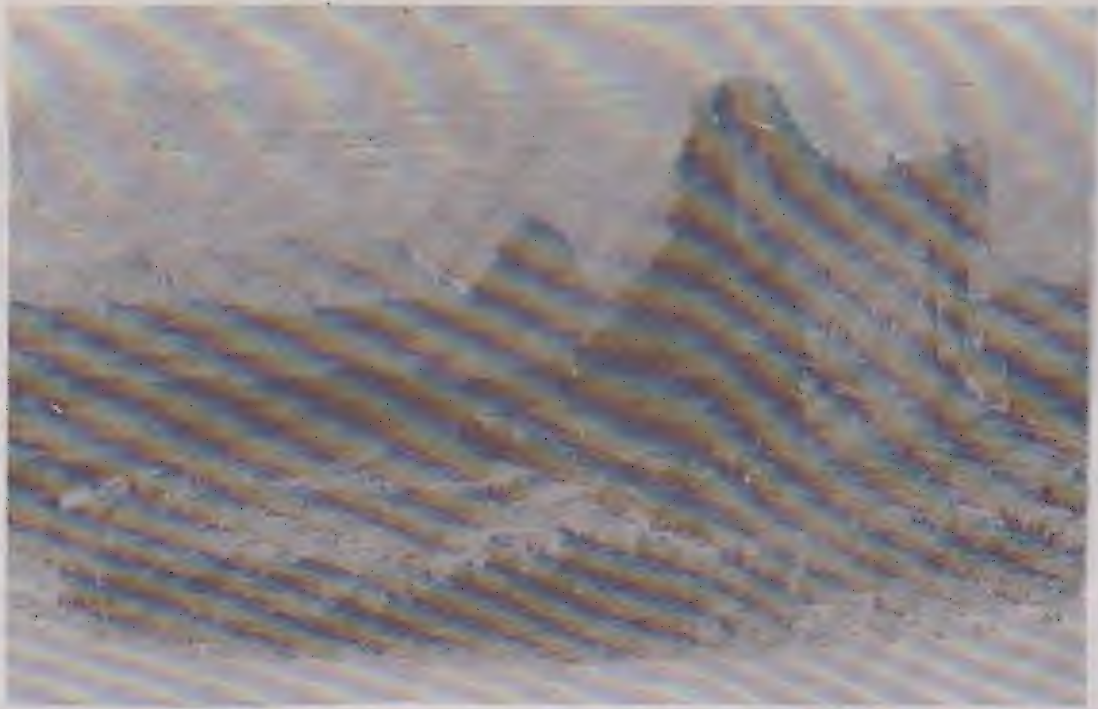
آرمینیا میں حضرت نوح کا مزار

شاہ نارمر

(ار) عراق میں کافاجا کا مندر۔
تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح

ماڑی کا بادشاہ۔ زمانہ 2500 قبل مسیح

نینوا سے ملنے والا اکادی قوم کے بادشاہ سارگون کا مجسمہ۔ زمانہ 2334-2279 قبل مسیح

قدیم عراق میں عورت دھاگہ تیار کر رہی ہے۔
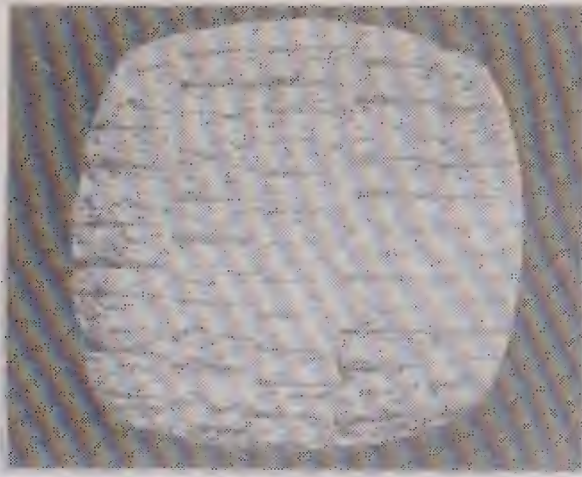
2350 قبل مسیح۔ لاگاش میں فن تحریر
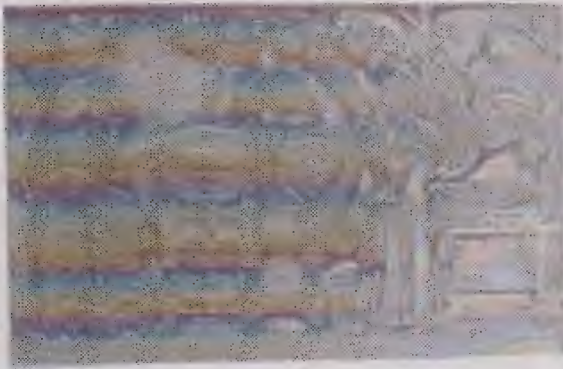
لوگوں کے کھانے پینے کا انداز

لوگوں کے کھانے پینے کا انداز
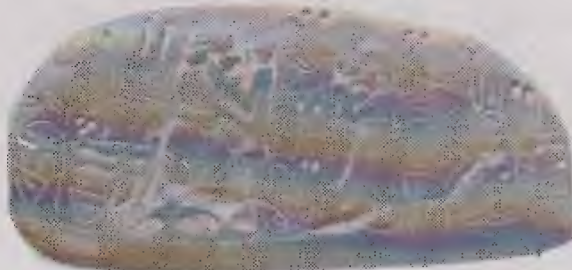
نکھائی کے ساتھ تصاویر بنانے کا فن۔ زمانہ 2366-2340 قبل مسیح

اجیڈ کا بادشاہ نارام سن اپنی فتح
منا رہا ہے۔ زمانہ 23 ویں صدی قبل مسیح

ار سے ملنے والا چاقو

اناطولیہ سے ملنے والی اشیاء زمانہ 2300-2100 قبل مسیح

سامی لوگوں کی ہجرت

ار کا وہ رہائشی علاقہ جہاں خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا خاندان رہائش پذیر تھا۔
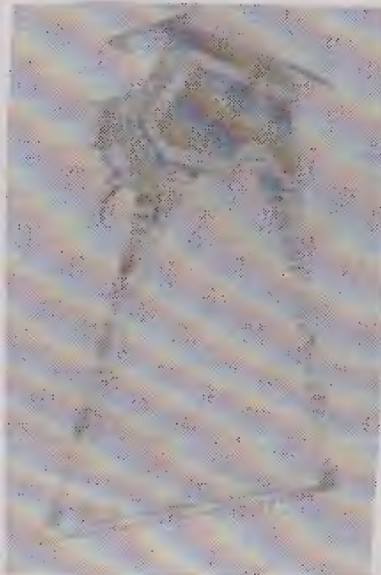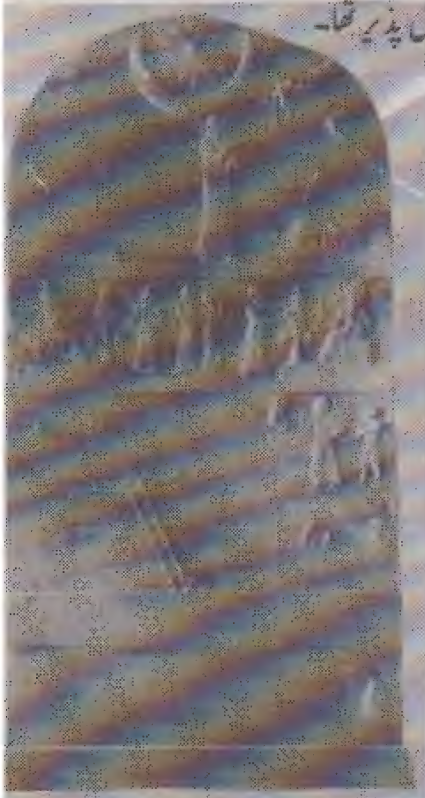
ار سے ملنے والا ساز

ار سے ملنے والا ارنامو کا مجسمہ۔ چاند کی پوجا کر رہا ہے۔

لگاش کے بادشاہ گوڈیا کا مجسمہ۔ زمانہ 2141-2122 قبل مسیح

حمورابی۔
حضرت ابراہیمؑ
کا ہمعصر۔
اس کے بنائے
ہوئے قوانین
اس پتھر پر
کندہ ہیں۔
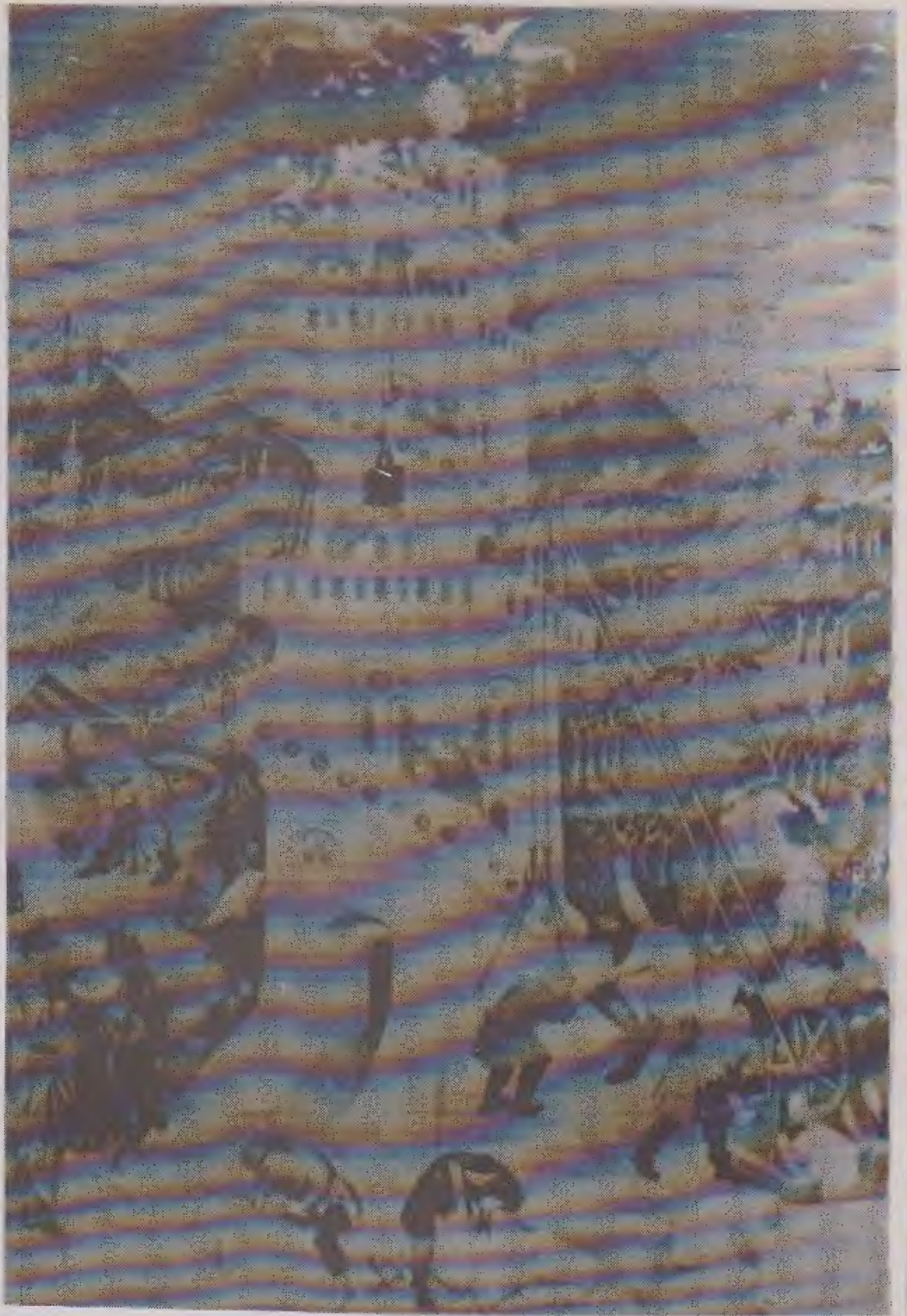
46- مینار بابل جس پر چڑھ کر فرعون خدا کو دیکھنا چاہتا تھا۔
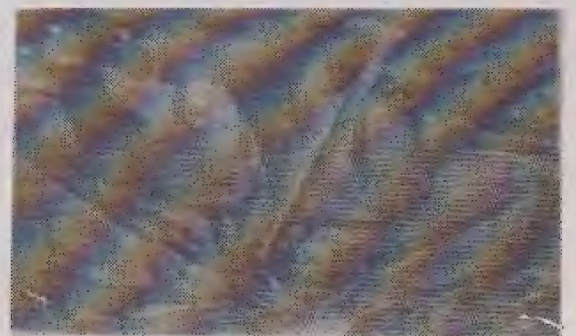
مینار بابل کی خیالی تصویر

بیر سبع۔ جہاں حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کے بعد قیام کیا۔
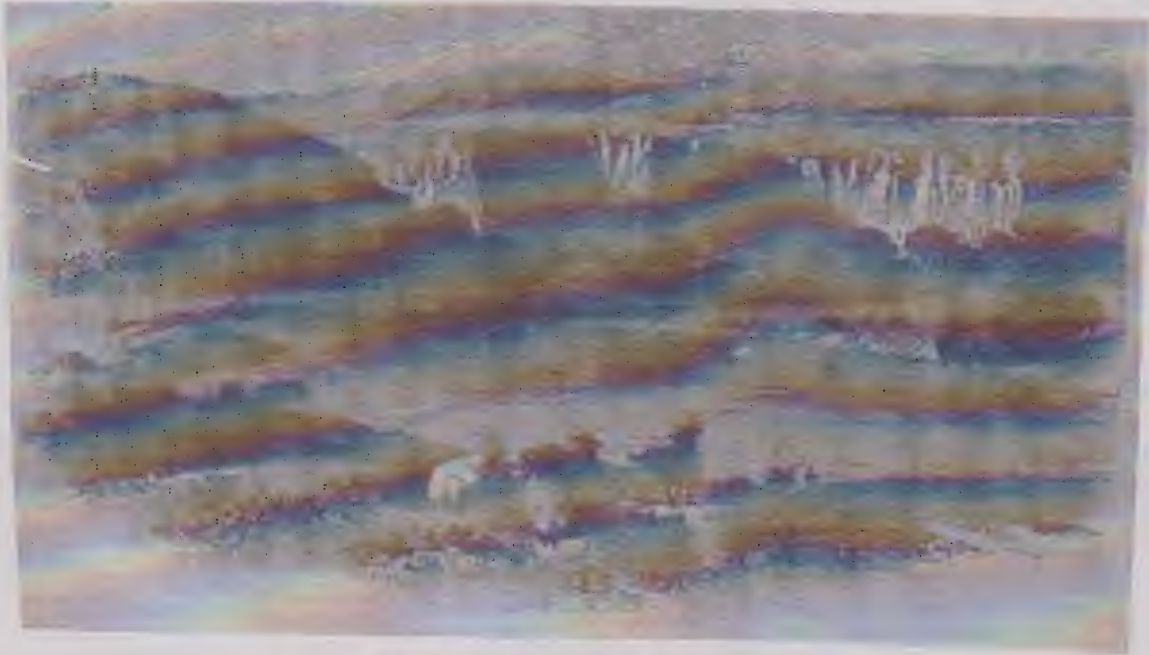
دریائے اردن کا علاقہ جہاں قوم لوط آباد تھی۔

اناطولیہ سے ملنے والی اشیاء زمانہ 2300-2100 قبل مسیح

ار سے ملنے والا ہیلمٹ
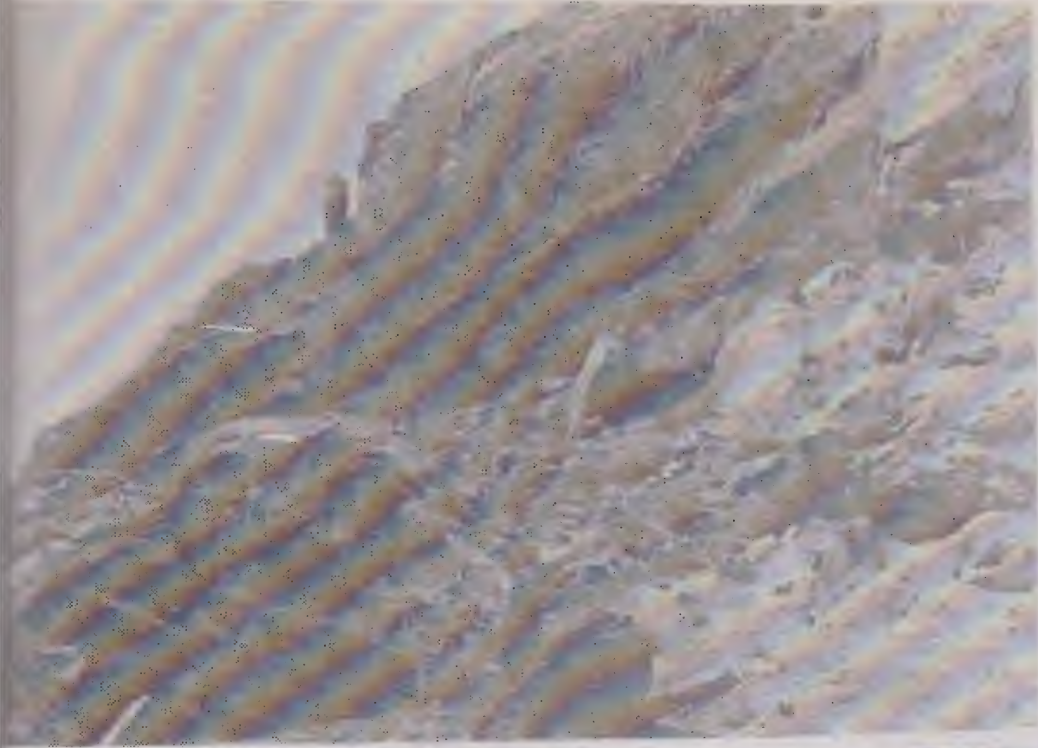
بحرمیت کے قریب پہاڑ
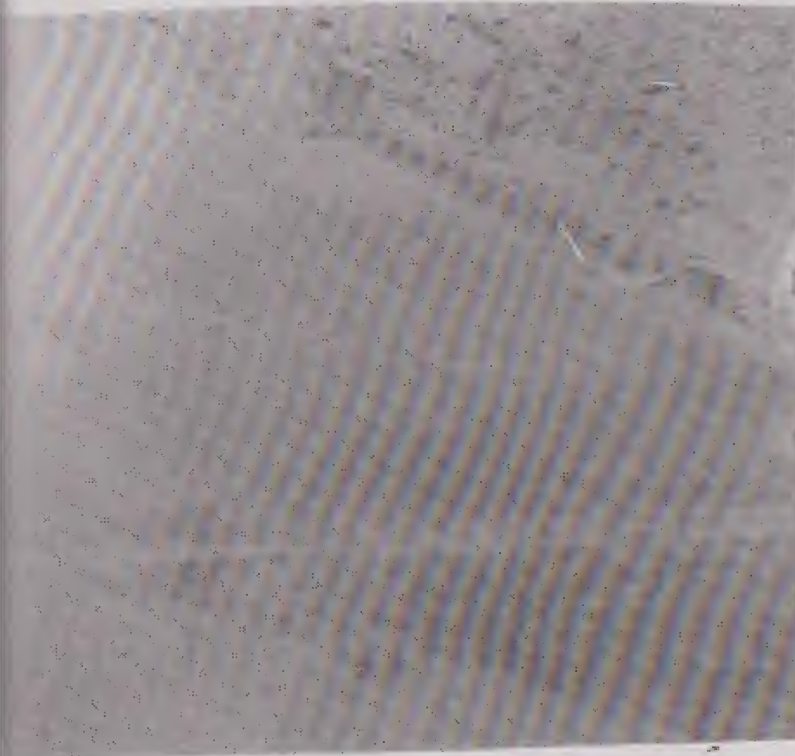
بحرمیت۔ اس کے کناروں پر قوم لوط آباد تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کا مزار
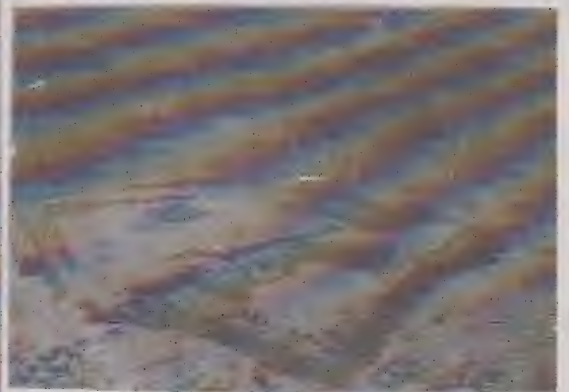
بحرمیت کے قریب ایک بستی کے آثار

بی بی سارہ کا مزار

داستان سوئم

حضرت یعقوبؑ سے حضرت موسیٰؑ تک کا سفر

اس سے قبل حضرت آدمؑ سے حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ تک کے حالات مختصراً بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہاں سے تیسری داستان کا آغاز ہوتا ہے یعنی آل ابراہیم کا جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ہاں سب سے پہلے حضرت اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی۔ یہ تقریباً 1848 قبل مسیح کا واقع ہے۔ 1830 قبل مسیح میں حضرت اسحاقؑ کی ولادت ہوئی اور تیسرے بیٹے کا نام مدین ہے جو بی بی قطورا کے بطن سے پیدا ہوئے۔

امر ربی کے تحت حضرت اسماعیلؑ اور بی بی حاجرہ کو وادی غیر زی زرع میں آباد کیا۔ حضرت اسحاقؑ فلسطین میں ہی رہے۔ جبکہ حضرت مدین عرب میں رہے اور بعد میں یہ علاقہ مدین کے نام سے پکارا گیا۔

حضرت اسماعیلؑ نے 137 سال عمر پائی۔ آپ کنعان میں پیدا ہوئے۔ حجاز میں سکونت اختیار کی۔ 13 برس کی عمر میں ختنہ ہوا اسی سال حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ پندرہ برس کی عمر میں والدہ کے ساتھ حجاز ہجرت کی اور وہیں آپ کی نسل پلی بڑھی۔

حضرت اسحاقؑ حضرت ابراہیمؑ کے چھوٹے بیٹے تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر مبارک 100 برس ہو چکی تھی۔ آپ کا وطن یعنی جائے ولادت و پیدائش ملک شام ہے۔ آپؑ نے ملک جرار کی طرف ہجرت کی (یہ قدیم نیشہ یا موجودہ لبنان کے جنوب میں بحیرہ روم کے کنارے واقع تھا) یہاں کا حکمران ابی ملک تھا۔ بیر سبع پر آپ نے عبادت گاہ تعمیر کروائی۔ آپ نے 180 برس عمر پائی اور جبرون میں دفن ہوئے۔

40 برس کی عمر میں آپ کی شادی ربقہ سے ہوئی۔ ان سے دو بیٹے حضرت یعقوبؑ اور عیسو ادوم پیدا ہوئے (یہ بعد میں سلطنت ادوم کے بانی ہوئے)۔ حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا۔ اور یہیں سے ایک عظیم الشان قوم بنی اسرائیل کی ابتدا ہوئی جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس قوم پر کیے گئے احسانات اور اس کے بدلے میں اس قوم کے رویہ کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جو آئندہ سطور میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ آپؑ نیکوکار تھے۔ زبان کے سچے تھے۔ ان کی اولاد سے کوئی نیکوکار اور کوئی کھلم کھلا اپنی جان پر ظلم کر رہے تھے۔ آپؑ نبی تھے اور ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ آخرت کی یاد کرتے تھے۔ اور یہ بہت بڑی خصوصیت ہے۔

حضرت یعقوبؑ اپنی والدہ کے اشارے پر اپنے ماموں کے پاس فدان آرام چلے گئے۔ یہاں پر آپؑ نے 20 برس قیام کیا اور ماموں کی دونوں بیٹیوں کے ساتھ شادی کی۔ یہیں قیام کے دوران آپؑ کے ہاں گیارہ اولادیں ہوئیں۔ جب آپؑ وطن واپس آئے تو بن یامین پیدا ہوئے۔

مختصراً" یہ کہ حضرت یعقوبؑ خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے اور کنعانیوں کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے برسوں اس خدمت حق کو انجام دیا۔ آپؑ نے 147 برس عمر پائی۔ آخری عمر میں حضرت یوسفؑ کے پاس مصر چلے گئے۔ آپؑ کنعان میں دفن ہیں۔

جزو اول۔

فدان آرام میں قیام کے دوران حضرت یعقوبؑ کی بیوی راحیل سے حضرت یوسفؑ پیدا ہوئے۔ آپؑ تقریباً" 1697 قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ جب واپس کنعان (فلسطین) آئے تو یہاں راحیل کے بطن سے بن یامین پیدا ہوئے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی آپؑ سے بہت حسد کرتے تھے۔ اور اس ٹوہ میں رہتے تھے کہ انکو راہ سے ہٹا دیں۔ جبکہ حضرت یعقوبؑ آپؑ سے بہت چاہت اور محبت رکھتے تھے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک خواب دیکھا کہ سورج چاند ستارے آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ آپؑ نے خواب حضرت یعقوبؑ کو سنایا اور انہوں نے کہا کہ بیٹا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا۔ چنانچہ آپؑ نے ایسا ہی کیا۔

بھائی آپؑ سے بہت حسد کرتے تھے۔ جب یوسفؑ سترہ برس کے ہوئے تو انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ ہم یوسفؑ کو اپنے ساتھ کھیلنے کیلئے لے جانا چاہتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کو یقین تھا کہ بھائیوں کی نیت ٹھیک نہیں تو انہوں نے بہانہ کیا کہ اگر تمہارا دھیان کہیں اور ہوا اور یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا تو پھر کیا ہو گا۔ لیکن بھائیوں نے کہا کہ ہم اپنی جان سے بھی زیادہ ان کی حفاظت کریں گے۔ مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا اور حالات و واقعات اور اسباب ایسے پیدا ہونے تھے کہ جس سے عظیم واقعہ رونما ہونا تھا۔ یعنی حضرت یوسفؑ کو مصر کی سلطنت کا عطا ہونا۔

الغرض بھائی حضرت یوسفؑ کو ساتھ لے گئے اور ایک کنویں میں پھینک دیا اور خون آلودہ کرتا واپس لے جا کر حضرت یعقوبؑ کو بتایا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔

دوسری طرف خدا کی قدرت کہ اس راستے سے کنعانیوں کا ایک تجارتی قافلہ گزر رہا تھا انہوں نے اس کنویں سے پانی نکالنا چاہا تو حضرت یوسفؑ کو اس میں دیکھا اور نکال لیا۔ اور یہ قافلہ جب مصر پہنچا تو آپؑ کو قافلے والوں نے بیچ دیا۔ مصر میں حضرت یوسفؑ کا خریدار فوطیفار تھا جو دربار مصر میں اعلیٰ عہدہ دار تھا اور پھر یہیں زلیخا والا واقع پیش آیا یعنی وہ آپ کو برائی کی طرف مائل کرنا چاہتی تھی۔

حضرت یوسفؑ جو کہ سچے اور پاکباز تھے تو اللہ نے آپؑ کو گناہ سے دور رکھا۔ بلکہ عزیز مصر نے انہیں جھوٹی تہمت کے نتیجے میں داخل زندان کروایا۔ مگر آپؑ وہاں خوشی سے چلے گئے کہ اس طرح گناہ سے دور ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تاویل الاحادیث کا علم عطا کیا تھا جب آپؑ زندان میں تھے تو فرعون مصر نے ایک خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں اور سات تپلی۔ اور دبلی گائیں موٹی گائیں کو کھا گئی ہیں اور سات سرسبز و شاداب بالیں ہیں اور سات خشک۔ اور خشک بالوں نے سرسبز کو کھا لیا ہے۔ فرعون بڑا پریشان ہوا۔ اس نے تعبیر پوچھی تو کوئی نہ بتا سکا۔ ایک درباری جو کہ زندان میں حضرت یوسفؑ سے مل چکا تھا اور اپنی کسی خواب کی تعبیر حضرت یوسفؑ سے سن چکا تھا اس نے فرعون سے کہا کہ وہ ایسے شخص کو جانتا ہے جو خواب کی تعبیر بتا سکتا ہے۔ جب آپؑ نے خواب کی تعبیر اس شخص کو بتائی اور اس نے فرعون کو، تو یہ تعبیر سن کر اسے اشتیاق ہوا کہ وہ اس شخص سے ملے۔

خواب کی تعبیر یہ تھی کہ پہلے سات سال خوب سبزا ہو گا اور پھل و اناج ہو گا اور اس کے بعد سات سال قحط رہے گا۔ لہٰذا سات سال خوب اگاؤ اور باقی ضرورت کے تحت محفوظ کر لو۔ الغرض فرعون تمام حالات واقعات سننے کے بعد اور زلیخا والا واقعہ سننے کے بعد انہیں بے قصور ٹھہرایا اور آپؑ کو ریاست کا کار مختار مقرر کر دیا اور آپؑ نے قحط سے بچنے کیلئے تدابیر کرنا شروع کر دیں۔

اللہ تعالیٰ جب ایک واقع کا ہونا ٹھہرا لیتے ہیں تو حالات اس کے موافق بدلتے رہتے ہیں تا کہ وہ پروگرام کیا جا سکے اور اسکا ایسا سبب بنا دیتے ہیں کہ وہ کام از خود ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور یہی حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں ہوا۔ آپؑ غلامی سے نکل کر سلطنت کے کار مختار بن گئے۔

جب سات سال بعد قحط کا زمانہ شروع ہوا تو مصر اور اطراف کے علاقہ میں بھی قحط پڑا تو کنعان اور خاندان یعقوبؑ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ غلہ کے حصول کیلئے برادران یوسفؑ مصر وارد ہوئے۔ آپؑ نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ

آپ کو نہ پہچان سکے۔ آپؑ کے بھائی مصر میں تین سال غلہ لینے آتے رہے۔ دوسری مرتبہ حضرت یوسفؑ نے ایک ترکیب کی جس سے آپ کا چھوٹا بھائی بن یامین آپؑ کے پاس رہ جائے۔ پھر آپؑ نے اپنا کرتا حضرت یعقوبؑ کو بھیجا۔ انہوں نے حضرت یوسفؑ کے فراق میں رو رو کر آنکھوں کی بینائی ختم کر لی تھی۔ جب انہوں نے کرتے کو آنکھوں سے لگایا اور بینائی واپس آ گئی۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ 40 سال بچھڑے رہے۔ آپؑ نے اپنے والد کو بھی مصر بلا لیا۔ یہ تقریباً 1640 قبل مسیح کا زمانہ تھا اور یہ بنی اسرائیل کی مصر کی طرف ہجرت تھی۔ یہ کل 70 افراد تھے۔

اس وقت حضرت یوسفؑ چونکہ حکومت کے کرتا دھرتا تھے تو انہوں نے اپنے خاندان کو بڑے باوقار طریقے سے شاہی سواریوں میں بیٹھا کر شہر سے گزارا اور شاہی محل میں اتارا۔ اور جب دربار شاہی میں آپؑ تخت نشین ہوئے تو لوگ تعظیماً جھک گئے اور آپ کے خاندان والے بھی۔ پھر آپ کو بچپن کا خواب یاد آیا اور سجدہ شکر ادا کیا۔

اس کے بعد خاندان یعقوب یعنی بنی اسرائیل مصر میں آباد ہو گئے۔ ایک طویل عرصہ کے بعد حضرت یوسفؑ 110 برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ وفات سے پہلے آپ نے اپنے خاندان والوں سے کہا کہ جب بنی اسرائیل واپس فلسطین جائیں تو میری ہڈیاں وہاں پہنچا کر سپرد خاک کریں۔ چنانچہ وفات کے بعد آپ کی جسد کو حنوط کر کے محفوظ کر دیا گیا اور جب حضرت موسیٰؑ کا زمانہ آیا تو تابوت لے جا کر دفن کر دیا گیا۔ یوں یہ قصہ یہاں تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس قصہ کو احسن القصص کہہ کر پکارا ہے۔

جزو دوئم۔

یہ قصہ حضرت شعیبؑ سے متعلق ہے۔ ان کا تعلق قوم مدین سے تھا۔ جناب مدین حضرت ابراہیمؑ کے فرزند اور بی بی قطورا کے بطن سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ خاندان بنی قطورا کہلایا۔ مدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ کے پہلو میں حجاز میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ خاندان آگے چل کر بڑا قبیلہ بن گیا تھا۔

یہ قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے مغرب شمال میں ایسی جگہ آباد تھا جو شام سے متصل حجاز کا آخری حصہ کہا جا سکتا ہے۔ اور حجاز والوں کو شام، فلسطین اور مصر تک جاتے ہوئے یہ کھنڈرات راستے میں پڑتے تھے۔

قرآن مجید نے اس بستی کا ذکر اس طرح سے کیا ہے کہ یہ بڑی شاہراہ پر آباد تھے۔ ان کو قرآن نے "اصحاب ایکہ" کہہ کر بھی پکارا ہے۔ اس علاقے کی خوبی یہ تھی کہ آب و ہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اس قدر شاداب و پر فضا بنا دیا تھا کہ یہاں میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن کی بھرمار تھی۔ اور کوئی شخص آبادی کے باہر کھڑا ہو کر اس کا نظارہ کرتا تھا تو اسے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ نہایت خوبصورت اور شاداب گھنے درختوں کا جھنڈ ہے۔ ان لوگوں کا پیشہ تجارت تھا۔ خوشبودار چیزیں بلسان، صنوبر، لبان وغیرہ مصر لے جاتے تھے۔

بجائے اس کے کہ اتنی نعمتوں کے ملنے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے۔ برائیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ بڑی بری قوم تھی اور خرید و فروخت میں پورا لینا اور کم تولنا۔ تمام معاملات میں کھوٹ اور ڈاکہ زنی ان کا خاصہ تھا۔

زرخیزی اور فراوانی کی وجہ سے یہ لوگ مغرور ہو چکے تھے۔ اور تمام امور کو اپنی ذاتی میراث اور اپنا خاندانی ہنر سمجھے بیٹھے تھے۔ اور خدا کی یاد سے یکسر غافل ہو گئے تھے۔

بقول حضرت شاہ ولی اللہ "ان (شعیبؑ) کی قوم نے زمین پر فساد کیا اور لوگوں کے حقوق میں بے انصافیاں روا رکھیں اور بری رسموں پر جمع ہو گئے اور مظلوم کر فریاد کوئی نہیں سنتا تھا۔"

چنانچہ غیرت حق حرکت میں آئی اور سنت اللہ کے مطابق ان کو راہ حق دکھانے، فسق و فجور سے بچانے اور امین، متقی اور با اخلاق بنانے کیلئے ایک ہستی حضرت شعیبؑ کو منتخب فرمایا۔ جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

"اور مدین والوں کی طرف ہم نے انکے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔" 85/7

انہوں نے لوگوں سے کہا کہ رب کو پوجو۔ وہی اس لائق ہے۔ ناپ تول پورا کرو اور فساد نہ پھیلاؤ۔ مگر قوم کے مغرور سرداروں نے ایک نہ سنی بلکہ لوگوں کو بھی

ڈرایا کہ حضرت شعیبؑ کا ساتھ نہ دو۔ وہ اپنے پچھلوں کا مذہب یعنی بت پرستی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ جبکہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کھلی سند ہوتے ہیں ان کی بات مانو۔

چنانچہ وقت آ گیا اور انہیں زلزلے نے آ لیا۔ جب زلزلہ ختم ہوا تو پھر ان پر آگ برسائی گئی اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے جو کبھی سرکش اور مغرور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ ان لوگوں پر بھی ویسا ہی عذاب آیا جیسا قوم نوحؑ، ھودؑ، صالحؑ کی قوموں پر آیا تھا۔ یعنی عذاب سخت۔

چنانچہ ان کی تباہی میں بھی اللہ نے ایک نشانی رکھی۔ یعنی بے ایمانی اللہ کو ناپسند ہے۔ اور مجبور و بے کس پر ظلم بھی۔ اکثر لوگ اس کو نہیں مانتے کیونکہ اگر مانیں تو خدائے واحد کو ماننا پڑے گا۔ اور خدا کو ماننے کا مطلب اس کی تعلیمات پر عمل ہے۔ جو لوگوں کو بہت کٹھن معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ ظالم لوگوں کا یہ قصہ بھی یہاں ختم ہوا۔ اور حضرت شعیبؑ نے اپنے متبعین کے ہمراہ دوسرے مقام پر تبلیغ و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

جزو سوئم۔

ایک اور قصہ قرآن عزیز میں مذکور ہوا ہے جو اپنی نوعیت کا مختلف ہے اور یہ قصہ ہے حضرت ایوبؑ کا۔ حضرت ایوبؑ کا تعلق بنی ادوم سے تھا۔ عیسوادوم فرزند حضرت ابراہیمؑ ناراض ہو کر اپنے چچا حضرت اسماعیلؑ کے ہاں آ مقیم ہوئے اور ان کی دختر سے شادی کر کے قریبی علاقے میں ہی آباد ہو گئے اور بنی ادوم کی بنیاد رکھی۔ یہ حکومت 1700 قبل مسیح سے 1650 قبل مسیح کے درمیان شاید عروج پر تھی۔

ان کا مسکن کوہ شعیر یا کوہ سراہ تھا۔ یہ عرب کے شمال مغرب میں اور خلیج عقبہ کے درمیان بستے تھے اور چاند اور سورج کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ایوبؑ اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔

بقول حضرت شاہ ولی اللہ "حضرت ایوبؑ نے نعمت، ثروت، آرام، عبادت اور

نظافت میں نشوونما پائی اور پھر اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ ان کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ اور ان کو ملت حنفی کی طرف بلاتے تھے۔ قوم کے فقرا اور مساکین کی حاجت روائی کرتے تھے۔"

آپ صاحب ثروت تھے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا۔ ان سے تمام مال و دولت' موشی' اولاد چھین لئے۔ اور انہیں بیماری میں مبتلا کر دیا۔ لیکن پھر بھی آپ اپنے رب کے شکرگزار بندے رہے۔

یہ امتحان اتنا کڑا تھا کہ شیطان بھی یہ اقرار کر گیا کہ ہاں۔ جو اللہ تعالیٰ پر صابر و شاکر رہے گا اس کے سامنے دنیا کے دکھ تکلیف کچھ معنی نہ ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری سے نجات دی۔ ان کی اور ان کی بیوی کی جوانی لوٹ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے مال مویشی' اولاد سب کچھ نوازا۔

ایک روز حضرت ایوبؑ غسل کر رہے تھے کہ اللہ کی رحمت سے ٹڈیاں آئیں اور جب ان کے گھر پر پڑیں تو سب سونے کی ہو گئیں۔ ان میں سے ایک گھر کے باہر گر پڑی تو آپؑ اسے بھی اٹھا لائے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب کسی طرف سے رحمت متوجہ ہوتی ہے تو حتی الامکان اس کا پیچھا کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بھی زیادہ دولت و ثروت دی۔ آپؑ لوگوں میں سچے نبی مشہور ہو گئے۔

جزو چہارم۔

یہ قصہ بھی اپنے اعتبار سے نہایت اہم ہے اور قرآن عزیز میں اسے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق فرعون مصر و حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ سے ہے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد اہل مصر غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

قرآن عزیز نے بنی اسرئیل پر ہونے والے مظالم کے علاوہ سماجی نظام کے تین بد ترین کرداروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جن کی تفصیل یوں ہے۔

1- فرعون استبدار ملوکیت کا مجسمہ۔

2- ہامان برہمنیت کا ابلیسیانہ روباہ بازیوں کا پیکر۔

3- قارون سرمایہ داری کی لعنت کا سب سے بڑا نمائندہ۔

چونکہ کوئی بات خدا کے ہاں حکمت سے خالی نہیں ہوتی اس لیے حضرت موسیٰؑ کا زمانہ اور اس میں پیش آنے والے حالات تمام دنیا اور تمام اوقات کیلئے نشان عبرت ہیں اور خدا تعالیٰ نے انبیاء کے واقعات یونہی نہیں بیان کر دیئے بلکہ ان میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ جب ظلم و جبر کی اخیر ہو جاتی ہے تو غیرت حق جوش مارتی ہے اور یوں اس قصہ کا آغاز ہوتا ہے۔

فرعون خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھوں اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گا۔ چنانچہ اس نے اعلان کر دیا کہ اس سال جتنے بھی اسرائیلی لڑکے پیدا ہوں انہیں قتل کر دیا جائے۔ لیکن جو اسباب اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے انہیں ناقص انسان کبھی بھی نہیں سمجھ سکتا۔

جب حضرت موسیٰؑ پیدا ہوتے ہیں تو ان کی والدہ انہیں ٹوکرے میں ڈال کر دریا برد کر دیتی ہے۔ یہ زمانہ 1301 قبل مسیح کا ہے۔ آپؑ اس طرح فرعون کے محل میں پہنچ جاتے ہیں اور فرعون کی بیوی آسیہ انہیں پالتی ہیں۔ ایک دفعہ آپ فرعون مصر (رامیس دوم) کی گود میں کھیل رہے تھے کہ اس کی داڑھی کو پکڑ لیا۔ اس نے غصہ میں آ کر آپؑ کے قتل کا ارادہ کیا لیکن بیوی آڑے آئی۔ چنانچہ ان کی پرکھ کیلئے ایک تقریب ہوئی۔ ان کے سامنے لعل اور انگارے لائے گئے اور انہوں نے لپک کر انگارے کو منہ میں رکھ لیا اور اس طرح انکی زبان مبارک میں لکنت آ گئی۔

قصہ مختصر حضرت موسیٰؑ فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں اور اپنی ہی والدہ کا دودھ پیتے ہیں (جن کو حضرت موسیٰؑ کی آیا مقرر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کسی اور کا دودھ نہیں پیا تھا)۔ جب دور شباب میں داخل ہوئے تو ایک قوی الجثہ اور بہادر نوجوان بنے، جس کے چہرے سے رعب ٹپکتا تھا۔ آپؑ بنی اسرائیل پر ہونے والے مظالم کو دیکھتے۔ ایک مرتبہ شہری آبادی میں جا رہے تھے کہ آپؑ نے دیکھا کہ ایک

مصری ایک اسرائیلی کو گھسیٹ رہا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو مدد چاہی۔ آپؑ نے مصری کو منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ اور غصہ میں اسے مارا اور وہ مر گیا۔ آپؑ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ مصری کو قتل کریں۔ مصریوں نے فرعون کے پاس استغاثہ کیا۔ چنانچہ پتہ چل گیا کہ حضرت موسیٰؑ قاتل ہیں۔ تو آپؑ ارض مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدین کی آبادی مصر سے آٹھ منزل پر واقع تھی۔

جب ارض مدین پہنچے تو حضرت شعیبؑ کی لڑکیوں سے ملاقات ہوئی۔ حضرت شعیبؑ اس وقت بہت ضعیف العمر ہو چکے تھے۔ چنانچہ آپؑ ان کے گھر گئے اور تمام حالات و واقعات سنائے۔ آپؑ نے یہاں قیام کیا اور حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی بی بی صفورہ سے شادی کی۔ آپؑ حضرت شعیبؑ کی بکریاں چراتے تھے۔

کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک روز آپؑ بکریاں چراتے ہوئے مدین سے بہت دور نکل گئے۔ سامنے سلسلہ کوہ نظر آنا شروع ہو گیا۔ یہ سینا کا مشرقی کونا تھا۔ اور مدین سے ایک روز کے فاصلہ پر بحر قلزم کے دوشاخے کے درمیان مصر کو جاتے ہوئے واقع تھا۔ رات خنک تھی۔ آپؑ کو اور آپ کی بیوی کو ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ آپؑ نے کوہ سینا پر آگ جلتی دیکھی۔ بیوی کو وہیں کھڑا کیا اور خود آگ لینے چلے گئے۔ جب آپؑ آگے جاتے تو آگ اور آگے ہو جاتی۔ آپؑ نے خوف محسوس کیا اور واپسی کو مڑے تو آگ قریب آئی اور سنا کہ آواز آ رہی ہے۔

"اے موسیٰ! میں ہوں اللہ، پروردگار جہانوں کا" (قصص 30)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو رسالت کیلئے چن لیا۔ یہ وہ موسیٰؑ تھے جو بکریاں چراتے تھے اور آج مصر جیسے متمدن و مہذب ملک اور اس کے سرکش اور مغرور بادشاہ کی راہنمائی کیلئے منتخب کر لئے گئے تھے۔ گلہ بان جہاں بان بن گیا۔ سبحان اللہ۔ یہیں اللہ نے انہیں عصا کو نشانی کے طور پر دیا۔ اور دوسری نشانی کہ جب ہاتھ کو بغل میں ڈالتے تو وہ بے داغ چمکتا ہوا نکلتا۔

چنانچہ یہاں پر رسالت اور دو نشانیاں مل گئیں۔ اور حکم ہوا کہ جاؤ اور قوم اور فرعون کو سیدھی راہ دکھاؤ۔ اور یہیں پر آپؑ نے حضرت ہارونؑ کیلئے نبوت مانگی۔

چنانچہ وہ بھی عطا ہوئی۔

واپس بیوی کے پاس آئے اور ان کو لیکر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور یہاں پر اپنے اہل خانہ سے ملے اور حضرت ہارونؑ کو بذریعہ وحی پہلے ہی حضرت موسیٰؑ سے متعلق اطلاع مل چکی تھی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے طے کیا کہ اب فرعون کے پاس جا کر پیغام الٰہی سنانا چاہیۓ۔ تب وہ دربار فرعون میں پہنچے اور اس سے کہا کہ ہم کو خدا نے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہم تجھ سے دو اہم باتیں چاہتے ہیں۔ اول خدا پر یقین۔ دوئم بنی اسرائیل کی غلامی سے نجات۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے مذاق و تحقیر کی چنانچہ کافی عرصہ ان کے درمیان بحث و مباحثہ ہوتے رہے۔ اور فرعون پیچ و تاب کھاتا رہا کہ موسیٰؑ و ہارونؑ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ خدا تو میں ہوں اور انکو دیکھو کہ یہ کسی اور خدا کی بات کرتے ہیں۔ پھر اس نے اپنے وزیر ھامان سے کہا کہ اینٹیں پکا اور بلند عمارت تیار کر تاکہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰؑ کے خدا کو دیکھ سکوں اور میں بلاشبہ موسیٰؑ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

جب فرعون کا خدشہ بڑھ گیا تو اس نے حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ وہ انہیں قید میں ڈال دے گا اور حضرت موسیٰؑ سے نبی ہونے کی نشانی مانگی۔

چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے عصا زمین پر پھینکا تو وہ اژدھا بن گیا اور ہاتھ بغل میں لے کر گئے اور وہ شفاف بے داغ نکلا۔ بجائے اس کے کہ وہ ایمان لاتے انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر سمجھا اور اپنے ملک کے جادوگروں سے مقابلہ کروایا۔ خدا کے حکم سے جادوگر مقابلہ ہار گئے اور تائب بھی ہوئے۔

تاریخ کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی قوم پر غلامی کی حالت میں صدیاں گزر جاتی ہیں تو اس کی زبوں حالی اور پستی کی حدود یہیں ختم نہیں ہو جاتیں کہ وہ مفلس و بدحال ہوں اور کاہل و پریشان حال۔ بلکہ ان کے قوائے عملی کی خرابی سے زیادہ انکے قوائے دماغی بیکار، مضمحل اور ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں ہمت و شجاعت مفقود

ہو جاتی ہے۔ اور وہ پستی پر ہی قناعت کر لیتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی پیغمبر و رسول یا کوئی مصلح ان کو اس دماغی پستی سے نکالنے کیلئے ان کو پکارتا ہے اور ہمت و شجاعت پر آمادہ کرتا ہے تو یہ ان کیلئے سب سے زیادہ مشکل اور ناممکن العمل پیغام نظر آتا ہے۔ پھر کبھی وہ اس راہ کی سختیوں سے گھبرا کر آپس میں دست و گریبان ہونے لگتے ہیں اور کبھی اپنے نجات دہندہ پر شک و شبہ کی نگاہ ڈالتے ہیں۔ اگر فائدہ ہو تو اظہار مسرت کرتے ہیں اور آزمائش کی گھڑی پر اپنے پیغمبر کو الزام دیتے ہیں۔ اور یہی حال تھا بنی اسرائیل کا۔

ادھر فرعون کو سکون قلب نہیں تھا اور وہ حضرت موسیٰؑ کو ہر گھڑی اپنے لئے خطرہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کی سازش کی۔ جبکہ فرعون کے دربار کے ایک مرد مومن نے فرعون و درباریوں سے کہا کہ تمہارا حال تو یہ ہے کہ اس سرزمین پر جب حضرت یوسفؑ نے خدا کا پیغام سنایا تھا تب بھی تم (یعنی تمہارے باپ دادا) اس شک و تردد میں پڑے رہے۔ خدا را سمجھو اور سیدھی راہ اختیار کرو اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آؤ۔

اب ذرا لوگوں کی بھی حالت دیکھیں کہ فرعون نے لوگوں سے کہا کہ موسیٰؑ تو ایسے رب کی بات کرتا ہے جو نظر نہیں آتا۔ جبکہ میں تو تمہارے سامنے ہوں پوری شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ۔ تو لوگوں کی ذہنیت کو دیکھیں کہ انہوں نے فرعون کی بات کو وزن دار خیال کیا اور اسی کو خدا سمجھا۔ اس سے حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کمزور پڑنے لگیں۔

غرض حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کا فرعون اور انکے سرداروں پر مطلق اثر نہ ہوا۔ اور معدودے چند لوگوں کے سوائے، عام مصریوں نے بھی ان کی پیروی نہ کی بلکہ فرعون کے حکم سے بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد قتل کی جانے لگی۔ حضرت موسیٰؑ کی توہین و تذلیل ہونے لگی اور فرعون بڑھ کر فساد کرنے لگا۔

تو پھر حضرت موسیٰؑ نے خدا کے حکم سے فرعون کو مطلع کیا کہ عنقریب تم پر عذاب آئیگا جب یکے بعد دیگرے عذاب آتے تو یہ لوگ تائب ہو جاتے۔ جب عذاب

چلا جاتا تو یہ لوگ منکر ہو جاتے۔

کبھی کہتے ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے اور تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ کبھی مخالفت پر اتر آتے۔ حتیٰ کہ وہ گھڑی آئی جب تباہی یقینی ہو گئی یعنی خدا کی طرف سے عذاب۔ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا۔

ان پر قحط کا عذاب' پھلوں کے نقصان کا عذاب' طوفان کا عذاب' ٹڈی دل کا عذاب' جوؤں کا عذاب' مینڈک کا عذاب' خون کا عذاب' قلزم کے پھٹنے کا عذاب وغیرہ آئے۔

ان تمام نشانات کو عبرت بنا کر اتارا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو جو تسع آیات دیئے تھے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

1- شرک نہ کرنا۔
2- زنا نہ کرنا۔
3- ناحق کسی کا قتل نہ کرنا۔
4- چوری نہ کرنا۔
5- جادو نہ کرنا۔
6- حکام رسی کے ذریعے جرم سے پاک انسان کو قتل نہ کرنا۔
7- سود نہ کھانا۔
8- پاک دامن کو تہمت نہ لگانا۔
9- میدان جنگ سے نہ بھاگنا اور رب کے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرنا۔

جب معاملہ حد سے زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے موسیٰؑ وقت آ گیا ہے تم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر باپ دادا کی زمین کی طرف جاؤ۔

چنانچہ آپؑ اللہ کے حکم سے خشکی کا راستہ چھوڑ کر بحیرہ قلزم کی طرف چلے اور راتوں رات کافی دور نکل گئے۔ ادھر فرعون اپنی فوج کے ساتھ سر پر پہنچ گیا۔ قوم گھبرائی کہ اب کیا ہو گا لیکن حضرت موسیٰؑ نے تسلی دی۔ آپؑ نے عصا سمندر میں مارا تو وہ پھٹ گیا اور قوم دوسرے کنارے پہنچ گئی۔ فرعون و فوج پیچھے تھے اس سے پہلے

کہ وہ کنارے پر پہنچتے پانی نے آ گھیرا اور وہ سب وہیں غرق ہو گئے۔ اس وقت فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو پکارا کہ میں تمہارے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ مگر توبہ کا وقت گزر چکا تھا۔ اسے غرق ہونا ہی تھا۔

جب سمندر عبور کر لیا اور وادی سینا پہنچ گئے تو بنی اسرائیل نے دیکھا کہ سینا کے لوگ بتوں کو پوج رہے ہیں تو انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے مطالبہ کر دیا کہ ہمیں بھی عبادت کیلئے ایسے بت بنا دو جبکہ وہ اس سے تھوڑی دیر پہلے غرق فرعون کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ حضرت موسیٰؑ بہت ناراض ہوئے اور قوم سے کہا! بدبختو ایک خدا کی عبادت کے سوائے کسی بت کو مت پوجو۔ بت پرستی تمہیں تباہ و برباد کر دے گی اور یہ سیدھا جہنم رسید کرے گی۔

وادی سینا ایک وسیع میدان تھا۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ دور دور تک سبزہ نہ تھا۔ جب انہیں پیاس لگی تو پانی کا مطالبہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا زمین پر مارا اور بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور آپؑ نے ہر قبیلے کیلئے ایک ایک چشمہ مختص کر دیا۔

جب انہیں بھوک لگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے آسمان سے من و سلویٰ اتارا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ لوگ اس سے تنگ آ گئے اور حضرت موسیٰؑ سے مطالبہ کیا کہ ہمیں لہسن، پیاز، ککڑی اور دال چاہئے۔ حضرت موسیٰ سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ جاؤ یہ چیزیں بازار سے عام مل جاتی ہیں۔ خریدو اور کھاؤ

حضرت موسیٰؑ سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ جب بنی اسرائیل مصر کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو انہیں شریعت دی جائے گی۔ چنانچہ آپؑ نے حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود کوہ طور پر چلے گئے۔ مدت اعتکاف ایک ماہ تھی۔ لیکن دس روز اوپر ہو گئے۔ جب حضرت موسیٰؑ کو تورات کی الواح عطا ہو گئیں تو آپؑ واپس آئے اور دیکھا کہ قوم بچھڑے کی پوجا میں مشغول ہے۔ آپؑ حضرت ہارونؑ پر بہت ناراض ہوئے۔ پھر آپؑ نے بنی اسرائیل کی اس غلطی کو بھی معاف کر دیا اور کہا کہ میرے پاس الواح ہیں۔ یہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت اور دنیوی زندگی کی فلاح کیلئے عطا کی ہے۔

لیکن بنی اسرائیل کو دیکھیں کہ حضرت موسیٰؑ کو جواب دیتے ہیں کہ ہم کیسے مان لیں کہ یہ الواح خدا کی طرف سے ہیں۔ جب تک کہ ہم خدا کو خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰؑ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی بات پر مصر تھے۔ پھر قوم سے 70 سرداروں کو منتخب کیا گیا۔ اور سب حضرت موسیٰؑ کی سرکردگی میں کوہ طور پر چلے گئے اور حضرت موسیٰؑ اور خدا کی ہم کلامی کو سنا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے کہ وہ خدا کو حجاب میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ جب نظارہ ہوا ایک ہیبت ناک کڑک، چمک اور زلزلہ آیا۔ وہ لوگ جل گئے۔ حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر دوبارہ زندہ کیے گئے۔

چنانچہ سردار واپس آئے اور انہوں نے قوم کو گواہی دی کہ موسیٰؑ سچے نبی ہیں اور الواح (تورات) درست ہیں لیکن اس قوم نے تورات قبول کرنے سے پس و پیش سے کام لیا۔ پھر کوہ طور نے ان پر سایہ کر کے گواہی دی تب انہوں نے تسلیم کیا۔

لیکن وہ زیادہ عرصہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکے۔ پھر اس دوران ایک واقعہ ہوا اور سورہ اعراف (175) میں اس کا ذکر ہوا۔

> "اے رسول! تم انہیں اس شخص کا حال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیات دی تھیں اور وہ ان سے منحرف ہو گیا۔ چنانچہ شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور وہ بھٹک گیا۔"

اس شخص کا نام بلعم باعور تھا اور وہ بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ 7 لاکھ اسرائیلیوں کو ہمراہ موآب کے میدان میں پہنچے تو وہاں کے بادشاہ نے ان کو اپنے لئے خطرہ سمجھا اور بلعم کے پاس تحائف بھجوا کر بنی اسرائیل کیلئے بددعا کرنے کیلئے کہا۔

بلعم نے کہا کہ خدا کا غضب صرف بدکاروں پر ہوتا ہے۔ تم اپنی عورتوں کو آزادی دے دو۔ چنانچہ اس مشورہ کے نتیجے میں عورتیں بنی اسرائیل کے پاس پہنچیں تو

انہوں نے ان عورتوں کے ساتھ زنا کیا۔ بنی اسرائیل پر خدا کا عذاب ہوا۔ اور بیس ہزار کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہو گئی۔

یوں اس واقعہ سے آج کا انسان بھی عبرت پکڑ سکتا ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اسے اسکا غلط استعمال نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں کو زنا نہیں کرنا چاہئے۔ یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ پھر اللہ کے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کیلئے اشارہ ہوا کہ وہ اپنے باپ دادا کی سرزمین مقدس میں داخل ہوں اور وہاں کے ظالم حکمران کو نکال کر عدل و انصاف کی زندگی بسر کریں۔

لیکن قوم اسرائیل ظالم حکمرانوں سے مقابلہ کیلئے تیار نہ ہوئے۔ تب حضرت موسیٰؑ افسردہ ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ نافرمان قوم اور ان کے اور ان کے بھائی کے درمیان جدائی پیدا کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰؑ غمگین نہ ہو یہ چالیس سال اسی میدان میں بھٹکیں گے پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کا انتقال ہو گیا۔

اس طرح حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی انتھک جدوجہد کا اختتام ہوا۔ ان واقعات سے ہمیں اس قوم کی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے نبی کو ستاتے تھے۔ بنی اسرائیل ستانے والی قوم تھی۔

قرآن مجید میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو قوت فیصلہ اور علم دیا اور ان کو غلبہ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سلام بھیجا۔

پھر یہ سلسلہ یہاں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس قوم کی اصلاح کیلئے انبیاء کی ایک طویل جماعت کو ان کی اصلاح کار کیلئے بھیجا گیا۔
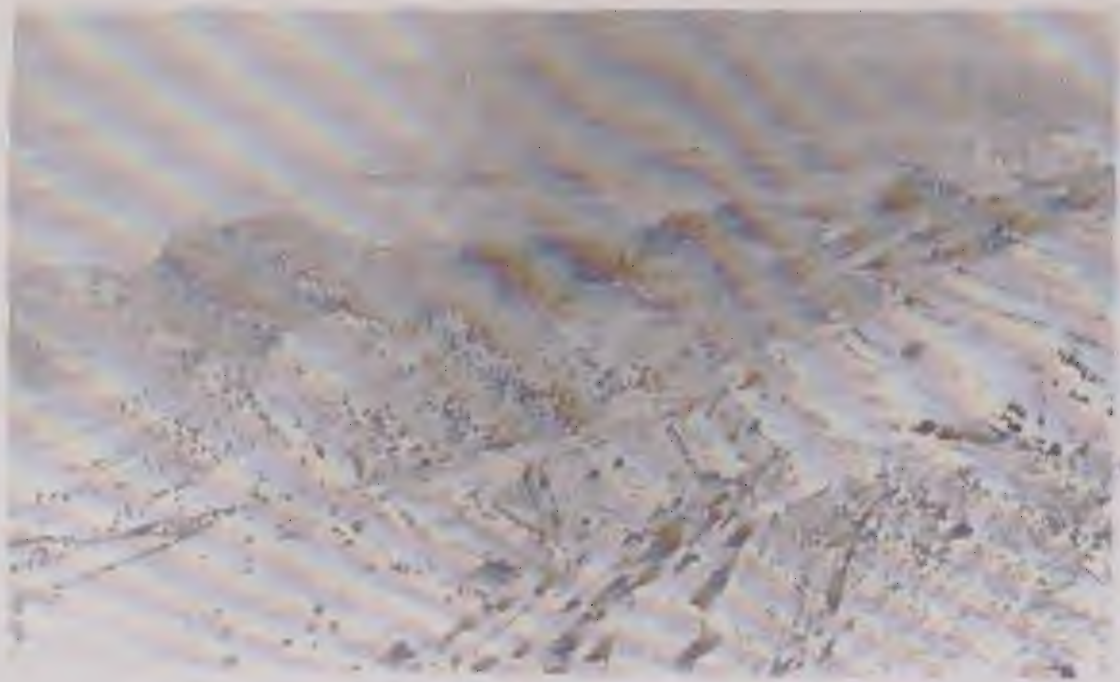
وادی اربع۔ ادوم کی پہاڑیاں نظر آ رہی ہیں اور گلف عقبہ اور بحر مردار بھی منظر میں ہیں۔

حضرت اسحاقؑ کی بیوی ربقہ کا مقبرہ

حضرت یوسفؑ کا مزار

مصر میں استعمال ہونے والے لکھائی کے آلات۔

اس تحریر میں یہ بیان موجود ہے کہ حضرت یوسفؑ نے مصر کا اقتدار حاصل کیا اور بے شمار کام کیے۔

57- سولہویں تا چودھویں صدی قبل مسیح، مغربی سنائی کا علاقہ

مصریوں کی ظروف سازی

مصریوں کے دیوتا

مصریوں کی کھیتی باڑی کے طریقے
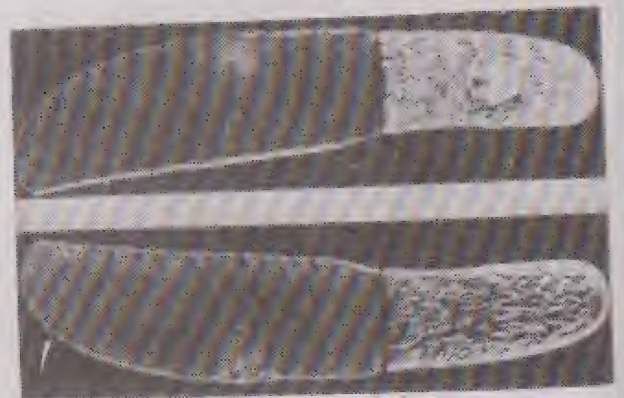
64- پتھر کے چاقو

پندرھویں صدی میں مصر میں شراب کی تیاری
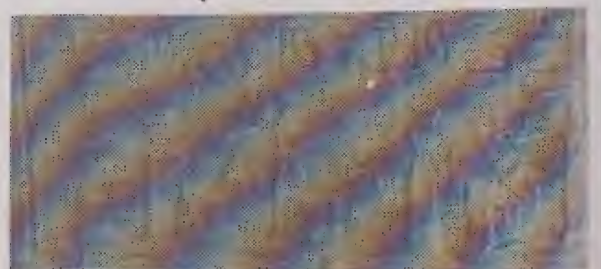
مصر میں لکھنے پڑھنے کا کام
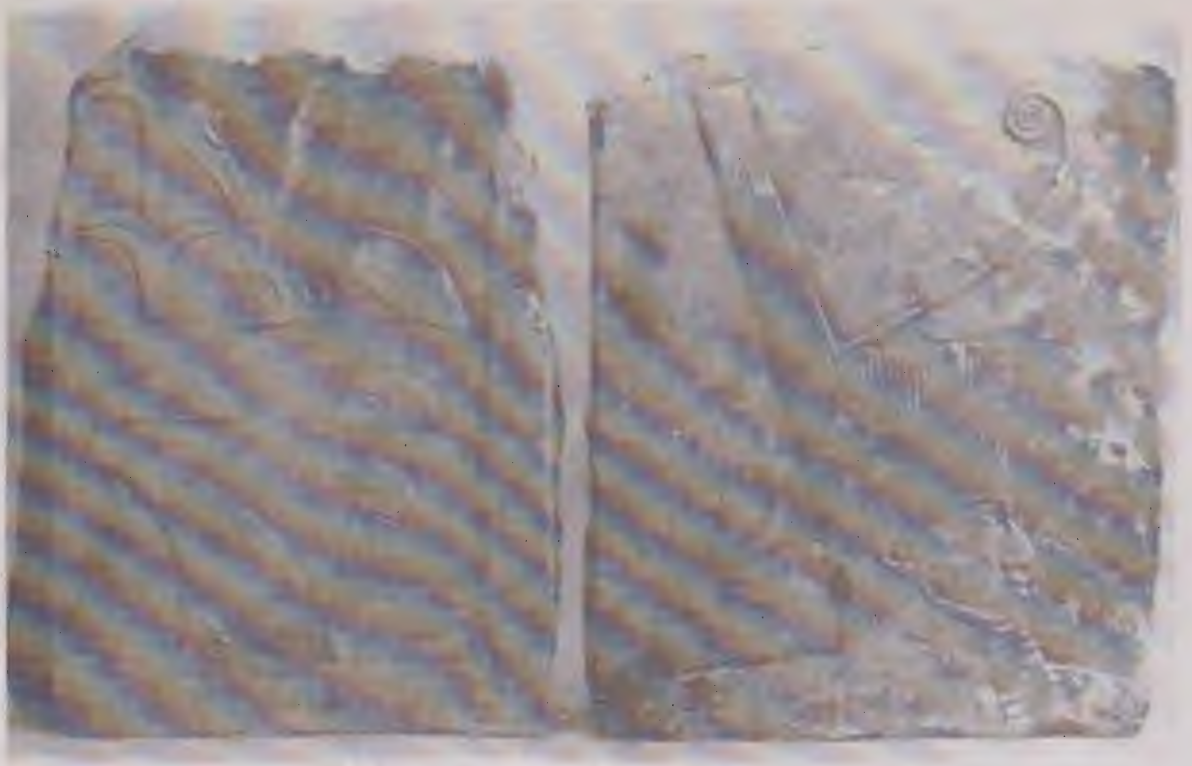
ابتدائی مصری تحریر کا نمونہ و بادشاہ کی تصویر

کھیتی باڑی کا منظر (مصر)

مصر میں بننے والا سونے کا چاقو

مصری مقبروں پر ہونے والی لکھائی کا نمونہ

اگرت سے ملنے والا کنعانیوں کا بت "ایل"
اس کے سامنے کنعانی بادشاہ کھڑا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے رامیس دوئم کے محل میں پرورش پائی۔

مصری تابوتوں پر لکھائی کا کام

مصر کی ملکہ کا مقبرہ۔ زمانہ 1480-1485 قبل مسیح

تیرھویں صدی قبل مسیح۔ کنعانیوں کے محل کے آثار

مصری فوج
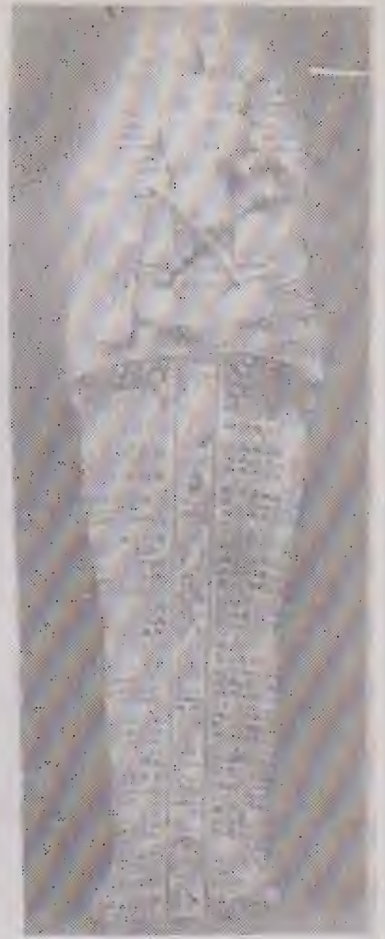
مصری تابوتوں کا نمونہ

اس فرعون نے خدائی دعویٰ کیا۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ برا سلوک کیا۔
جب حضرت موسیٰؑ مصر سے نکلے تو اس نے پیچھا کیا اور سمندر میں غرق ہوا۔
اس کی لاش آج بھی دیدہ عبرت ہے۔ اس کا نام مرنیفط تھا۔

کھیل

مصر میں بننے والی خوبصورت انگوٹھی

حضرت موسیٰ نے اس فرعون
کی گود میں پرورش پائی۔
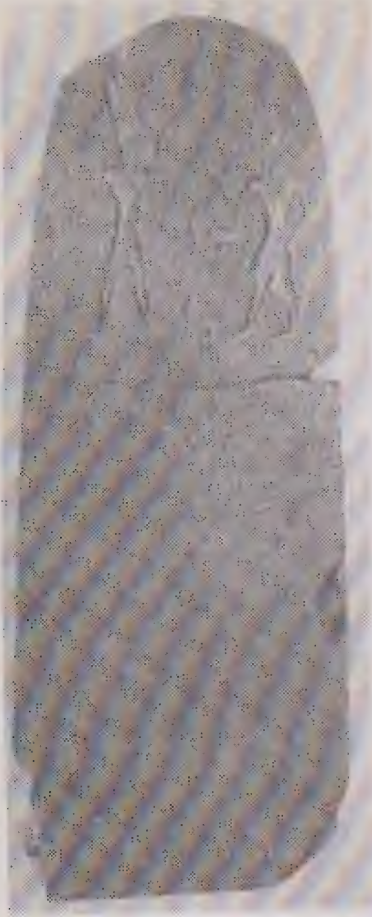
مصری بادشاہ سورج کی پوجا کر رہا ہے۔

اس تحریر میں بنی اسرائیل کا
مصر کے حوالے سے ذکر ہے۔

دریائے نیل۔ جو آج بھی
عظمت رفتہ کی نشانی ہے۔

اس پہاڑ پر حضرت موسیٰ نے خدا سے
ہمکلامی کی اور انہیں الواح ملیں۔

مصری بادشاہ اخناطون سورج دیوتا کی پوجا کر رہا ہے۔ زمانہ 1350-1367 قبل مسیح

داستان چہارم

حضرت یوشعؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کا سفر

داستان سوئم کے آخر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کیلئے ایک عظیم جدوجہد کی۔ آپؑ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بے شمار انبیاء بھیجے۔

جزو اول۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل چالیس برس تک صحرا میں بھٹکتے رہے تو اس وقت قوم کی راہنمائی کیلئے حضرت یوشعؑ کو مقرر کیا گیا۔ آپؑ نے نیابت موسیٰؑ کی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارض مقدس میں داخلے کا حکم ملا تو حضرت موسیٰؑ کی طرف سے وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کیلئے جن افراد کو بھیجا گیا ان میں حضرت یوشعؑ بھی تھے۔

حق تعالٰی نے حضرت موسیٰؑ کو زندگی میں ہی بتا دیا تھا کہ یوشعؑ ان کے خاص آدمی ہیں اور یہ بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو کنعان اور بیت المقدس لے جا کر جابر مشرکین سے پاک کریں گے۔ آپؑ حضرت یوسفؑ کے بیٹے افرائیم کے پوتے تھے۔

اور کتنی اہم بات ہے کہ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں 70 اسرائیلیوں کا قافلہ کنعان سے مصر کی طرف وارد ہوا اور آپ کا پڑپوتا یوشعؑ لاکھوں اسرئیلیوں کی قیادت کرتا ہوا واپس کنعان پہنچا۔ تابوت سکینہ ان کے ساتھ تھا جس میں عصا موسیٰؑ، پیراھن موسیٰؑ، من کا مرتبان بطور نشانی موجود تھے (جس کے بارے میں حکم ہوا کہ اسے محفوظ کر لو تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں اسے دیکھ سکیں)۔

بحرحال بنی اسرائیل تقریباً 1181 قبل مسیح میں کنعان پر قابض ہوئے اور حضرت یوشعؑ نے تقریباً 1174 قبل مسیح میں وفات پائی۔

جزو دوئم۔

جب بنی اسرائیل پر عمالقہ کی دست درازیاں بڑھیں تو انہوں نے اپنے نبی حضرت شموئیلؑ جو کہ حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھے، سے گزارش کی کہ وہ انکے ایک بادشاہ مقرر کریں جو انہوں نے جناب بن یامین بن یعقوبؑ کی نسل سے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا اور انکے لئے ایک نشانی رکھی کہ وہ گم شدہ تابوت سکینہ کو واپس لائیں گے۔ حضرت شموئیلؑ کا زمانہ گیارھویں صدی قبل مسیح ہے۔ چنانچہ طالوت تابوت سکینہ واپس لائے اور بادشاہ بنے۔

طالوت و جالوت کی جنگ۔

طالوت نے بنی اسرائیل کو دشمنوں کے خلاف جنگ کیلئے کہا تو وہ لوگ تیار ہو گئے۔ دشمن فوج کا سردار جالوت ایک دیوہیکل انسان تھا اور اس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ چنانچہ یہاں اس جنگ میں حضرت داوٗدؑ نے جالوت کو شکست دی اور واصل

جنم کیا۔ اس سے بنی اسرائیل کے حوصلے بلند ہوئے۔ یہ 1025 قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ طالوت نے تقریباً 25 سال حکومت کی۔ اس کے بعد عنان سلطنت حضرت داوُدؑ کے ہاتھ آئی۔

جزوسوئم۔

حضرت داوُدؑ کا زمانہ حکومت تقریباً 1000 قبل مسیح سے 965 قبل مسیح کا ہے۔ آپؑ نے تقریباً 35 برس حکومت کی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دیا۔ حضرت سلیمانؑ جیسی اولاد دی۔ آپؑ رجوع کرنے والے اور خدا کے اچھے بندے تھے۔ صاحب قوت آدمی تھے۔ ان کو سلطنت و حکمت ملی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زبور کتاب دی۔ لوہے کو آپ کیلئے نرم کر دیا۔ آپ زرہ بنانے میں ماہر تھے اور اس فن کو خوب جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو آپکا مطیع کر دیا تھا۔ خدا نے قرآن میں فرمایا کہ داوُدؑ زمین پر خدا کے جانشین تھے۔ آپؑ نے 70 برس عمر پائی۔

حضرت داوُدؑ کی ولادت بیت لحم میں ہوئی جہاں بعد میں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ طالوت آپکے سسر تھے۔ بیت لحم میں ہر سال ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو جشن قربان ہوتا تھا جس میں ایک سال حضرت شموئیلؑ بھی پہنچے اور حضرت داوُدؑ سے ملاقات ہوئی۔

طالوت، جالوت سے جنگ میں فتح کے بعد حضرت داوُدؑ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے نالاں و خائف تھا۔ آپؑ وہاں سے قبیلہ بن یامین کی ایک بستی لوامہ حضرت شموئیل کے پاس پہنچے۔ جب طالوت ہلاک ہو گیا تو جبرون والوں نے حضرت داوُدؑ کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ آپؑ نے ساڑھے سات برس حکومت کی۔ پھر سارے اسرائیل پر 33 برس حکومت کی اور حکومت کے چالیس برس مکمل ہونے پر آپؑ نے حضرت سلیمانؑ کو والی عہد مقرر کیا اور بیت المقدس کی تعمیر کا کہہ کر وفات پا گئے۔

آپؑ کے زمانہ میں ایک واقعہ ہوا جس کو "الیوم السبت" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس بستی کا نام ایلہ تھا۔ یہ بستی مدین و طور کے درمیان بحر قلزم پر واقع ہے۔

قرآن پاک نے اسے ہذالقریہ کہا ہے۔

قصہ مختصر ہفتہ میں ایک روز شکار پر پابندی تھی اور یہ لوگ اس دن بھی بخلاف شریعت موسوی شکار کرنے لگ گئے تھے۔ یعنی جمعہ کے روز نالیوں میں پانی جمع کر لیتے جس میں مچھلیاں جمع ہو جاتیں اور پھر چھٹی والے دن ان کو پکڑ کر کھاتے۔ یہاں تک کہ قوم کے بوڑھے لوگ بھی اس فعل میں شامل ہو گئے تھے۔ ان لوگوں پر قہرالٰہی نازل ہوا۔ ان لوگوں کے منہ سوج گئے اور شکلیں بندر کی طرح ہو گئیں۔ اس سے ہزار ہا آدمی مر گئے۔

سورۃ البقرہ (65) میں آیا ہے ''تم ان لوگوں کو جانتے ہی ہو جنھوں نے سبت کا احترام نہیں کیا تھا اور ہم نے انہیں ذلیل بندر بنا دیا۔''

چنانچہ اس واقعہ میں بھی لوگوں کیلئے خدا نے عبرت دی کہ جس کام کو خلاف شریعت کیا جاتا ہے اس سے عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔

جزو چہارم۔

حضرت داؤدؑ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے بہت ساری نعمتوں سے نوازا وہاں اس نے حضرت داؤدؑ کو حضرت سلیمانؑ بھی عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے کہ آپؑ داؤدؑ کے وارث و جانشین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو نبوت و حکومت دونوں دیئے تھے۔

آپؑ کو بے بہا علم دیا حتیٰ کہ پرندوں کی بولیوں کا علم بھی۔ ہوا ان کے مسخر کر دی۔ شیاطین و جن ان کے مسخر تھے۔ یہ عمارتیں بنانے والے نبی تھے۔ جن تابعدار تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کے قلعہ کے بارے میں قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے بہا دیئے۔ آپ کے زمانے میں ملکہ سبا، بلقیس ایمان لائی۔

جب حضرت سلیمانؑ بائیس برس کی عمر میں تخت نشین ہوئے تمام مشہور حکومتیں مثلاً'' عمون، کنعان، موآب، ادوم، ارمن وغیرہ آپکے زیر تھیں۔ حکومت

خوشحال تھی۔ تجارت زوروں پر تھی۔ آپؑ نے اپنی حکومت کے چوتھے سال بیت المقدس کی تعمیر شروع کروائی۔ آپؑ نے چالیس برس حکومت کی۔ آپکی عمر مبارک 62 برس تھی اور آپکا زمانہ حکومت 20-965 قبل مسیح تھا۔

آپؑ کے زمانے میں بیت المقدس کی تعمیر ہوئی تھی اور جنات نے اس کی تعمیر کی تھی۔ یہ مخلوق بڑی طاقتور ہوتی ہے اور آج لوگوں کے ذہن میں شاید یہ بات ہے کہ یہ مخلوق غیب کا علم جانتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ قرآن میں واضع آیا ہے۔

''جن اگر غیب کا علم جانتے تو ذلت کے عذاب میں نہ آتے۔'' 14/34

واقعہ یوں ہے جب بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپؑ کیلئے پیغام اجل آ گیا۔ آپؑ نے اپنے آپ کو شیشے کے تابوت میں کھڑا کیا اور عصا کا سہارا لیا اور وفات پا گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر ان کو معلوم ہو گیا تو یہ اس کی تعمیر روک دیں گے۔ جب مسجد مکمل ہو گئی تو ادھر عصا دیمک کی وجہ سے کمزور ہو گیا اور جنات کو پتہ چل گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو بھی قرآن عزیز نے ایک خاص مقصد کے تحت بیان فرمایا۔

جب حضرت سلیمانؑ کے ایام رحلت آئے تو آپؑ نے اپنے دور کے ایک پیغمبر اخی جاہ کو بلایا اور کہا کہ قبائل اسرائیل کو باہمی تصادم سے بچانے کیلئے سلطنت کو تقسیم کر دیجئے۔ اس نے یہودہ کو جنوبی صوبے اور باقی دس کو شمالی صوبے دیئے۔

جزو پنجم۔

نوویں صدی قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ دمشق سے بارہ میل مغرب کی طرف مشہور شہر بعلبک ہے۔ یہاں کے لوگ بعل بت کی پوجا کرتے تھے۔ یہ بت سونے کا بنا ہوا تھا اور 20 گز اونچا تھا۔ اس کی خدمت کیلئے 400 خادم مقرر تھے۔ اس بت کی پرستش مشرق میں بابل اور جنوب میں مدین تک تھی اور فنیقی، کنعانی، موآبی، مدیانی لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔ ان کی طرف حضرت الیاسؑ مبعوث ہوئے۔ آپؑ یوشع بن نون کی اولاد سے تھے اور شریعت موسوی کے پابند تھے۔

مورخین کے مطابق آپ حضرت داؤدؑ کے پوتے اسا بن اخیاذ کے لڑکے یہوشاط فرمانروا بنی اسرائیل کے ہمعصر تھے۔ ایک حوالے سے احاب بن عمری (919-896) آپکا پیرو تھا۔ لیکن آپؑ کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر قحط نازل کر دیا۔

حضرت الیاسؑ کی وفات کے بعد آپؑ کے شاگرد اور چچا زاد الیسعؑ آپکے نائب اور خلیفہ بنے۔ بدوی اور صحرا پسند تھے۔ انہیں احاب (919-896) کی وفات سے چار سال قبل نبوت ملی اور بنی اسرائیل کی رہنمائی کی۔ آپؑ کچھ عرصہ جریجو (Jericho) میں رہے پھر فلسطین، بیت ایل آ گئے۔ جی ہوت (876-838) کے عہد میں وفات پائی۔ قرآن مجید آپؑ کا ذکر بطور صابر، نیک بخت کے آیا ہے اور یہ بھی کہ آپؑ اخیار میں تھے۔

جزو ششم۔

یہ واقع بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ آٹھویں صدی قبل مسیح کا زمانہ تھا۔ نینوا کے لوگ راہ اعتدال سے ہٹ گئے اور انہوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ خدا کی حکمت نے چاہا کہ اس دور کے نبی اشعیاء کو اس باغی قوم کو ڈرانے کیلئے حکم کرے اور انہوں نے حضرت یونسؑ کو ان کی طرف بھیجا۔

آپؑ جنوبی گلیلی یمن کے ایک شہر گاتھ ہنیفر سے تعلق تھے۔ اور اسرائیلی بادشاہ جیروبام (790 ق م) کے معاصر تھے۔ نینوا میں آپکا ہمعصر عداد نی ناری سوم (810-783) تھا۔

الغرض جب آپؑ وہاں پہنچے تو لوگوں نے آپکی تعلیمات کو تسلیم نہ کیا۔ آپؑ کی بیوی اور بچے آپؑ سے بچھڑ گئے۔ قوم نے آپؑ کو قید کر لیا حضرت یونسؑ نے اس قوم کیلئے عذاب کی دعا کی۔ ابھی عذاب کا وقت متعین نہیں ہوا تھا۔ آپؑ وہاں سے نکل آئے۔

قوم یونسؑ نے جب عذاب آتے دیکھا تو سچے دل سے معافی مانگی اور عذاب ٹل گیا۔ دوسری طرف حضرت یونسؑ نے 37 دن انتظار کیا مگر عذاب کی کوئی نشانی نہ ملی اور پھر انہیں عذاب کے ٹل جانے کی اطلاع وحی کے ذریعے بھی نہ دی گئی۔ تو آپؑ

خدا سے ناراض ہو کر نینوا سے نکل کر اپنے وطن گلیلی گئے اور پھر طریش جانے کیلئے کشتی پر سوار ہوئے۔ (کنعان سے ٹین خریدنے کیلئے جہاز وہاں جاتے تھے) شیطانی وسوسہ نے آپکو ورغلایا کہ اللہ نے تمہاری بات نہ مانی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

چنانچہ دوران سفر طوفان آگیا اور کرہ کے ذریعے اس شخص کو سمندر میں پھینکنا جانا تھا جو اپنے آقا کا نافرمان اور بھاگ کر آیا ہو۔ چنانچہ کرہ فال حضرت یونسؑ کے نام نکلا اور آپکو پھینک دیا گیا۔ اور پھر آپؑ کو مچھلی نے نگل لیا۔ کافی دن آپؑ مچھلی کے پیٹ میں رہے اور خدا سے معافی مانگتے رہے۔ آخر کار مچھلی نے آپؑ کو ایک چٹان پر اگل دیا۔ آپؑ چونکہ کمزور ہو چکے تھے اس لئے بیل اگائی گئی تاکہ آپؑ کو سایہ ہو اور ایک ہرنی دودھ پلاتی تاکہ آپؑ کو خوراک ملے۔ جب آپؑ تندرست ہو گئے تو ہرنی واپس نہ آئی اور بیل بھی سوکھ گئی، تو آپؑ کو بہت رنج ہوا کہ اتنی اچھی بیل سوکھ گئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے یونسؑ تمہیں ایک بیل کے سوکھ جانے کا رنج تو ہوا ہے۔ لیکن میں پوری قوم کو کیسے تباہ کر دیتا کہ جنہوں نے سچے دل سے معافی مانگی۔ کیا مجھے اس بات کا رنج نہ ہوتا۔ تب آپؑ واپس اپنی قوم میں آئے اور اللہ نے انہیں اپنی قوم میں سچا نبی بنایا۔

جزو ہفتم۔

حضرت ذوالکفل کا زمانہ آٹھویں صدی کا ہے۔ آپؑ حضرت الیسعؑ کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ حضرت الیسعؑ چونکہ جارڈن کے رہنے والے تھے اس لئے ممکن ہے کہ ان کا تعلق بھی جارڈن سے ہو۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر یوں آیا ہے۔

> "اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کی بات کرو۔ وہ سب آرام و سکون سے برداشت کرنے والے تھے۔ ہم نے انہیں دائرہ رحمت میں

شامل کر لیا۔ کیونکہ ان کے اعمال اچھے تھے۔" (85-86 انبیاء)

ان کے بعد حزقیلؑ کو بنی اسرائیل پر مبعوث کیا گیا۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر اس حوالے سے آیا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگوں کو موت کا عذاب دیا گیا۔ انہوں نے جب اپنی قوم کو دشمن سے جنگ کیلئے تیار کرنا چاہا تو یہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے اور کسی وادی میں چھپ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔ جب ان کا یہاں سے گزر ہوا تو ان کو مردہ حالت میں دیکھا اور خدا سے دعا کی۔ پھر یہ لوگ زندہ ہو گئے اور عبرت کا نشان بنے۔

"کیا تم نے ان ہزاروں افراد کے حال پر نظر نہیں ڈالی جو موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ گئے تھے لیکن اللہ نے انہیں مارنے کے بعد پھر زندہ کر دیا۔ کیونکہ اللہ لوگوں پر بہت مہربان ہے۔"
(البقرہ 243)

واقعہ سیل عرم

سبا ایک قحطانی قبیلے کا جد اول تھا (نام عبدالشمس اور لقب سبا) آل سبا نے صنعاء سے حضرموت تک حکومت قائم کر لی۔ تو ان کا ملک اور دارالحکومت بھی سبا کہلانے لگا۔ اس کا دوسرا نام مارب تھا۔

حکومت سبا کے ادوار۔

پہلا۔ 1100 قبل مسیح سے 550 قبل مسیح (سلاطین مکارب)
دوسرا۔ 550 قبل مسیح سے 115 قبل مسیح (ملوک سبا۔
واقعہ سیل عرم ان کے دور میں ہوا)
تیسرا۔ (1) 115 قبل مسیح سے 280ء (ملوک حمیر)
(2) 280ء تا 525ء (تبابعہ)

شامل کر لیا۔ کیونکہ ان کے اعمال اچھے تھے۔" (85-86 انبیاء)

ان کے بعد حزقیلؑ کو بنی اسرائیل پر مبعوث کیا گیا۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر اس حوالے سے آیا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگوں کو موت کا عذاب دیا گیا۔ انہوں نے جب اپنی قوم کو دشمن سے جنگ کیلئے تیار کرنا چاہا تو یہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے اور کسی وادی میں چھپ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔ جب ان کا یہاں سے گزر ہوا تو ان کو مردہ حالت میں دیکھا اور خدا سے دعا کی۔ پھر یہ لوگ زندہ ہو گئے اور عبرت کا نشان بنے۔

> "کیا تم نے ان ہزاروں افراد کے حال پر نظر نہیں ڈالی جو موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ گئے تھے لیکن اللہ نے انہیں مارنے کے بعد پھر زندہ کر دیا۔ کیونکہ اللہ لوگوں پر بہت مہربان ہے۔"
> (البقرہ 243)

واقعہ سیل عرم

سبا ایک قحطانی قبیلے کا جد اول تھا (نام عبدالشمس اور لقب سبا) آل سبا نے صنعاء سے حضرموت تک حکومت قائم کر لی۔ تو ان کا ملک اور دارالحکومت بھی سبا کہلانے لگا۔ اس کا دوسرا نام مارب تھا۔

حکومت سبا کے ادوار۔

پہلا۔ 1100 قبل مسیح سے 550 قبل مسیح (سلاطین مکارب)

دوسرا۔ 550 قبل مسیح سے 115 قبل مسیح (ملوک سبا۔
واقعہ سیل عرم ان کے دور میں ہوا)

تیسرا۔ (1) 115 قبل مسیح سے 280ء (ملوک حمیر)
(2) 280ء تا 525ء (تبابعہ)

واقعہ یوں ہے کہ ملوک سبا نے مارب کے پاس دو پہاڑوں کے درمیان ایک بند لگا کر پانی روک لیا تھا۔ جس سے وہ اپنی زمینوں اور باغوں کو سیراب کرتے تھے۔ جب یہ لوگ عیاشی میں پڑ گئے تو انہیں سزا دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ بند توڑ دیا۔

قرآن میں آیا ہے۔

"ان لوگوں نے ہم سے منہ موڑ لیا۔ اور ہم نے انہیں سیل عرم سے تباہ کر دیا۔" (سبا 17)

اور یوں یہ لوگ عذاب الٰہی کے حقدار ٹھہرے۔ صرف اور صرف اپنے اعمال بد کی وجہ سے۔ ورنہ جو لوگ اتنی بڑی عمارتیں اور کھیتی باڑی کیلئے بند بنا سکتے ہیں وہ واقعی ذہین اور محنتی لوگ ہوں گے۔ مگر خدا کو ہر وہ بات ناپسند ہے جو اس کے احکام کی خلاف ورزی میں ہو۔

ان کے بعد حضرت عزیرؑ کا ذکر آتا ہے۔ ان سے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دوبارہ اپنے اعجاز سے تورات کو زندہ کیا اور آپؑ بنی اسرائیل کے سردار تھے۔ آپؑ 40 برس کی عمر میں فقیہ تسلیم کر لئے گئے۔

بیت المقدس اور شہر ایلیا پر جب بخت نصر نے چڑھائی کی تو سارے شہر کو برباد کر دیا اور لوگوں کو قید کیا۔ اور انہی قیدیوں میں ایک بزرگ شخص حضرت عزیرؑ کو گرفتار کر کے بابل میں لے گیا۔

جب وطن عزیز لوٹے تو شہر اجڑا ہوا دیکھ کر متاسف ہوئے اور کہنے لگے کہ خدا اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا۔ سو اللہ نے ان کو سو سال کیلئے سلا دیا اور پھر جگا دیا۔ اسی اثنا میں پوشنک شاہ فارس نے بیت المقدس اور ایلیا کو از سرنو رونق بخشی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بیدار کیا تو دیکھا کہ یہ شہر پہلے سے زیادہ آباد ہے۔

آپؑ کا ایران کی تاریخ سے بھی گہرا تعلق ہے۔ آپؑ اردشیر کے زمانے میں بنی اسرائیل کی مشکلات سے متعلق اور تعمیر بیت المقدس میں رکاوٹ کو دور کرنے کے سلسلے میں شاہی دربار میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے تھے۔ جب کیخسرو تخت

نشین ہوا تو حضرت عزیرؑ نے ان سے اسرائیلیوں کے ایک قافلے کے ہمراہ یروشلم جانے کی اجازت مانگی جو مل گئی اور 459 قبل مسیح میں بابل سے نکلے اور یروشلم پہنچ گئے۔ آپؑ کی قبر مبارک دمشق میں واقع ہے۔

ان کے بعد قرآن میں حضرت ذکریاؑ کا ذکر آیا ہے۔ آپؑ بی بی مریم والدہ عیسیٰؑ کے خالو تھے۔ مسجد اقصیٰ کے متولی اور اپنے عہد کے رسول تھے۔ آپؑ نے بی بی مریم کی پرورش کی تھی۔ ہیروڈ انتیپاس (39ء میں) جو گلیلی کا گورنر تھا اس نے آپکے فرزند حضرت یحیٰؑ کو قتل کر دیا تو آپؑ بھاگ کر ایک درخت کے تنے میں چھپ گئے تو اس نے آپکو تنے کے اندر ہی چیر دیا۔

ان کے بعد حضرت یحیٰ کا قرآن میں ذکر آیا۔ "اے یحیٰ تورات کو محکم پکڑو۔ وہ قوم کا سردار، گناہ سے نفور، نبی اور صالح ہو گا۔" آپ کی ولادت حضرت عیسیٰؑ سے صرف چھ ماہ قبل ہوئی تھی۔

جب حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا آغاز ہوا تو آپؑ نے تبلیغ ترک کر دی تھی۔ آپکی شریعت میں پانچ بنیادی باتیں تھیں۔

1- شرک سے اجتناب
2- نماز کی پابندی
3- روزہ سے استقلال
4- مالی قربانی
5- کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا۔

دنیاوی تعلقات ان کے پاس بہت کم تھے۔ وہ موت اور واقعات مابعد الموت کو یاد کر کے بہت رویا کرتے تھے۔ شاہ وقت نے انہیں قتل کر دیا کہ وہ وعظ کرتے تھے۔ اس قوم پر خدا نے عذاب نازل کیا۔ بخت نصر نے پورب سے آ کر بیت المقدس میں ایسی خونریزی کی جو تاریخ میں یادگار رہے گی۔

ایک اور حوالے ہے کہ رقیم کا آخری بادشاہ حارث رابع جو کہ حضرت یحییٰؑ کا ہمعصر تھا اس نے حضرت یحییٰؑ کے قاتل ہیروڈ پر فوج کشی کی تھی۔

چنانچہ یہ قصے یہاں ختم ہوئے اور پھر ایک اور نبی حضرت عیسیٰؑ نے جنم لیا۔

جزو ہشتم۔

یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ سے متعلق ہے۔ علامہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی "قصص القرآن" میں فرماتے ہیں۔

> "حضرت عیسیٰؑ جلیل القدر اور الوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں اور جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء و رسل ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء بنی اسرائیل ہیں۔"

حضرت عیسیٰؑ سے قبل بنی اسرائیل ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے اور انفرادی و اجتماعی عیوب و نقائص کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو ان سے بچ رہا ہو۔ وہ اعتقاد اور اعمال دونوں ہی قسم کی گمراہیوں کا مرکز و محور بن گئے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی ہی قوم کے پادریوں اور پیغمبروں کے قتل کرنے پر جری اور دلیر ہو گئے تھے۔ قرآن عزیز میں آیا ہے۔

1- آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔
2- اللہ کے بندے اور نبی ہیں۔
3- کتاب ملی اور سچے نبی ہیں۔
4- آپؑ نے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا۔
5- مجھ پر سلام جس دن پیدا ہوا جس دن مروں گا اور جس دن جی اٹھوں گا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزات عطا کیے۔

1- مٹی سے پرندہ بنا کر پھونک مار کر زندہ کرتے تھے۔
2- مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو چنگا بھلا کرتے تھے۔

3- باذن اللہ مردوں کو بلاتے تھے۔
4- لوگوں سے کہتے تھے جو کچھ تم کھا کر آؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں رکھ کر آؤ میں تمہیں بتاؤں گا۔
5- آپؑ ماں کی گود میں لوگوں سے ہمکلام ہوئے اور اپنے نبی ہونے کی گواہی دی۔
6- اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو حکمت کی تعلیم دی۔
7- آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا کی۔ آپؑ نے تورات کی تصدیق کی اور اسکے بعض احکام منسوخ کر دیئے۔
8- لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے تھے۔
9- خدا کے بیٹے نہیں تھے۔

قرآن پاک میں آیا۔

"بیشک وہ کافر ہیں جو مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں۔" 72/5

10- عیسیٰ قیامت کی نشانی ہیں۔
11- عیسیٰ نہ قتل کیے گئے اور نہ صلیب کیے گئے بلکہ خدا نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے نہ شادی کی اور نہ بود و ماند کیلئے گھر بنایا۔ وہ شہر شہر اور گاؤں گاؤں خدا کا پیغام سناتے اور دین حق کی دعوت و تبلیغ کرتے۔ لوگوں نے سازشیں شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنی طرف اٹھا لیا اور سازشی لوگ یہ نہ جان سکے کہ حضرت عیسیٰؑ کہاں ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں آیا۔

"اور کوئی اہل کتاب میں سے باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ ضرور ایمان لائے گا۔ عیسیٰؑ پر اس (عیسیٰؑ) کی موت سے پہلے اور وہ (عیسیٰؑ) قیامت کے دن ان پر (اہل کتاب پر) گواہ بنے گا۔ 22/6

آپکا زمانہ پہلی صدی عیسوی سے 33 صدی عیسوی تھا۔

ان کے بعد قرآن میں اصحاب القریہ کا ذکر آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انکی طرف تین نبی بھیجے اور بستی کا نام انطاکیہ تھا۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری تھے۔

اس کے بعد قوم تبع کا ذکر آیا ہے۔ یہ سبا کے آخری حکمران تھے اور ان کا زمانہ 280ء سے 525ء تک کا ہے۔

"اہل ایکہ اور قوم تبع نے ان کے حق میں وعدہ عذاب پورا ہوا۔ (ق-14)

اس واقعہ کے بعد قرآن پاک میں اصحاب الکہف والرقیم کا ذکر آیا۔

"وہ لوگ غار میں تین سو برس رہے اور کہہ دو صرف اللہ ہی ان کی مدت قیام کو جانتا ہے۔" (کہف 25-24)

واقعہ یوں ہے۔ روم کے ایک شہر میں چند نوجوانوں نے بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اس پر ان کے ملحد بادشاہ (دقیوس) کی آتش غضب بھڑکی اور یہ لوگ ایک غار میں گھس گئے۔ بادشاہ بھی وہاں پہنچ گیا اور اس نے غار کا منہ بند کروا دیا۔ کئی سو برس بعد کسی گڈریے نے غار کا منہ کھولا تو یہ لوگ زندہ ہوئے۔

ایک اور بڑے اندوہناک واقعہ کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے۔ یعنی اصحاب الاخدود کا واقعہ۔ جو 523ء میں پیش آیا تھا۔

قرآن میں آیا۔

"کھائیاں کھود کر ان میں ایندھن بھرنے اور آگ بھڑکانے والوں پہ لعنت۔ یہ لوگ ان گڑھوں کے پاس بیٹھ کر اہل ایمان کے تڑپنے اور جلنے کا تماشہ دیکھتے رہے۔" (بروج 4-7)

کہتے ہیں کہ یمن کا ایک حمیری بادشاہ ذونواس یہودی بن گیا۔ اس کے خلاف حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی نے سازش شروع کر دی۔ جس میں نجران کے عیسائی بھی

شامل ہو گئے۔ اس پر زونواس نے نجران پر حملہ کر دیا اور وہاں کے باشندوں کو یہودیت یا موت میں سے ایک کا اختیار دیا۔ انہوں نے موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ بادشاہ نے لمبی لمبی خندقیں کھدوا کر ان میں آگ جلائی اور سب عیسائیوں کو زندہ جلا دیا۔ ان کی تعداد 20 ہزار کے قریب تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نبی آخرالزمان) کی ولادت باسعادت سے چالیس روز قبل حبشہ کے حکمران ابراہہ نے مکہ پر ہاتھیوں کے ساتھ چڑھائی کر دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ننھی منی ابابیلوں کے ہاتھوں اس کی بڑی فوج کو تہس نہس کروا دیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کی کیونکہ ابراہہ نے حبشہ میں عبادت خانہ بنوایا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے وہاں طواف کرنے کیلئے آئیں۔ یقیناً انسان کی بری سوچ خسارے میں رہتی ہے۔

اب وقت آ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ایک ایسی ہستی کو مبعوث کیا جائے کہ جن کا پیغام پوری عالم انسانیت کیلئے ہو۔ اور انکے بعد کسی کی ضرورت نہ ہو۔ چنانچہ نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔
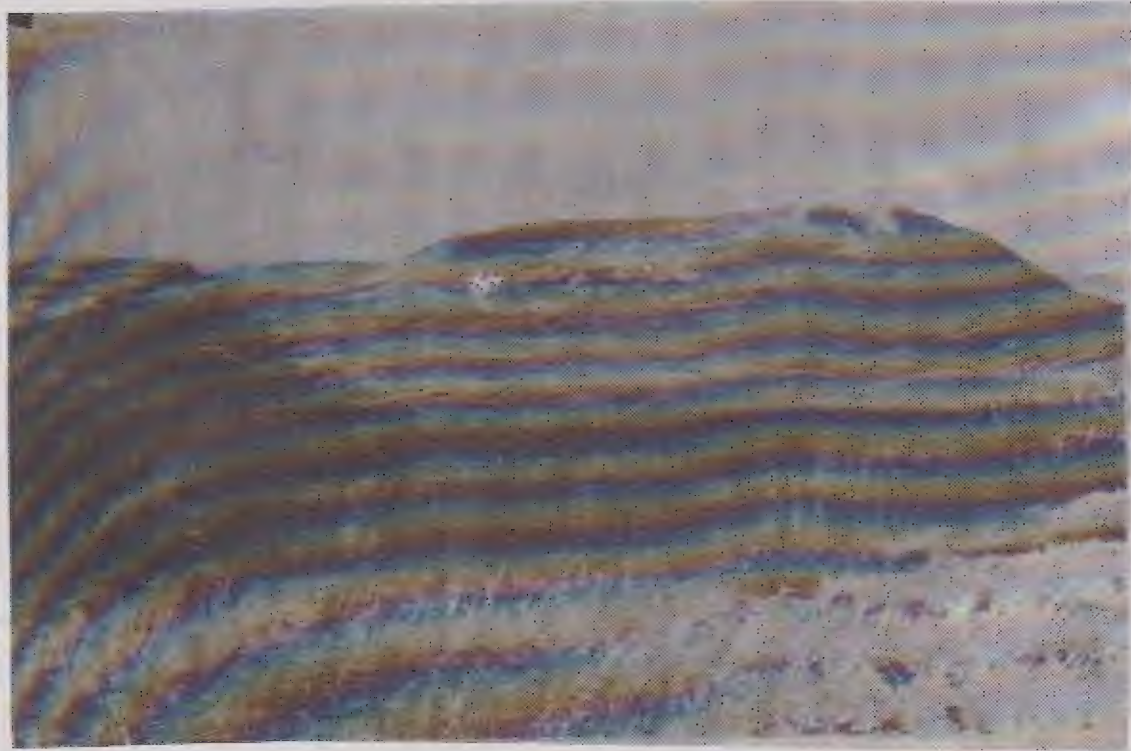
حضرت داؤدؑ کا میدان جنگ

شہر داؤد کی کھدائیوں کا منظر

حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے اصطبل

تابوت سکینہ کی تخیلاتی تصویر
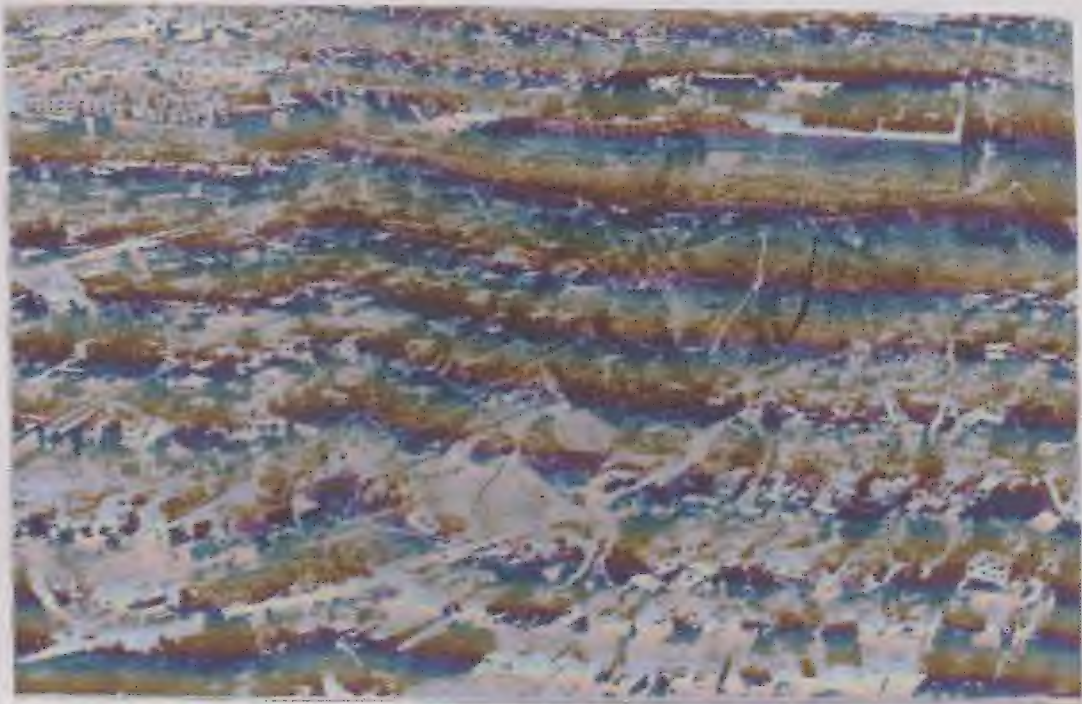
شہر داؤد۔ پس منظر میں بیت المقدس نظر آ رہا ہے۔

کان

بیت المقدس کا ایک منظر

حضرت سلیمانؑ کے محل کی آثار قدیمہ کے شواہدات کی بنیاد پر بنائی گئی خیالی تصویر

دیوار گریہ

اشوری لوگوں کا رسم الخط

اشوری مچھلیاں پکڑنے کیلئے بکری کی کھال ہوا بھر کر استعمال کرتے تھے۔

اشور ناصرپال دوئم درخت کی پوجا کرتے ہوئے (9ویں صدی)

اشور ناصرپال دوئم کے زمانے کا ایک بت

اشوری حکمران اشور ناصرپال دوئم کا مجسمہ

اشوری سپاہی
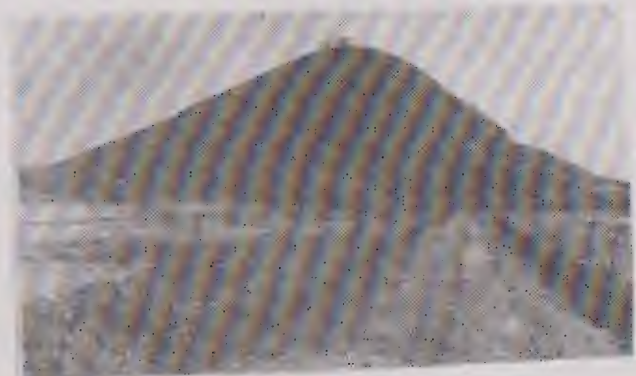
نمرود (برباد شہر)

حضرت سلیمانؑ کی کانیں

اشوری حکمران
سارگون دوئم نے
720 قبل مسیح
میں سامریہ کو فتح کیا
تھااور اسرائیلیوں
کو نکالا تھا۔

حضرت یونس کا مزار

اشوری لوگوں کی قربان گاہ کا منظر

بیل کا پوجا کا منظر

خوراس آباد میں سارگون دوئم کے محل کا منظر(705-722 قبل مسیح)
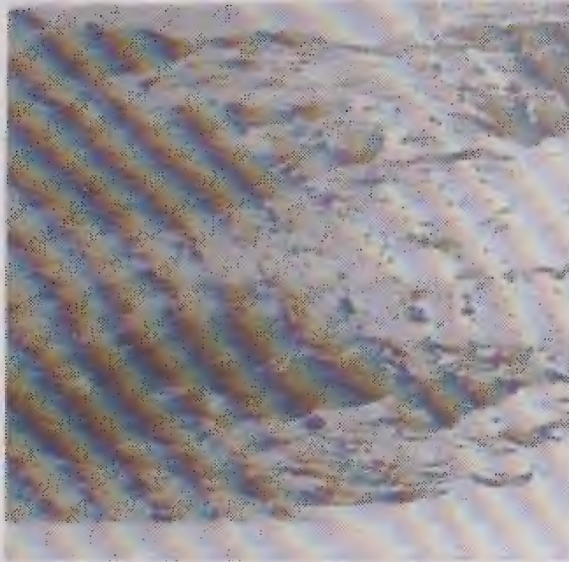
حضرت سلیمانؑ کی کانوں کا ایک منظر۔

ایک بت
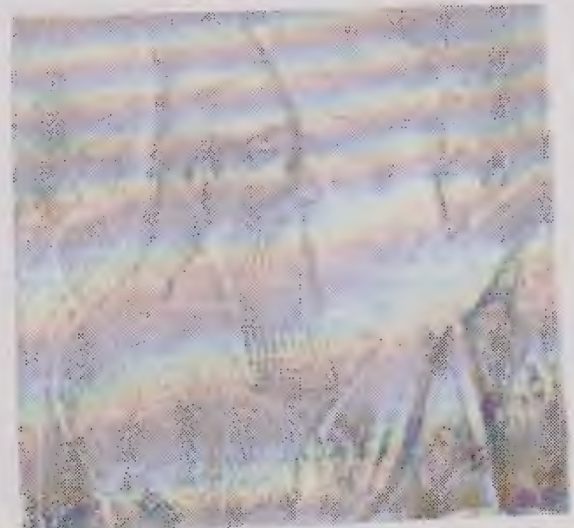
اشور حکمران تگلتھ پلسر سوئم کا بت (727-744 قبل مسیح)

بابلیون میں اشتار گیٹ
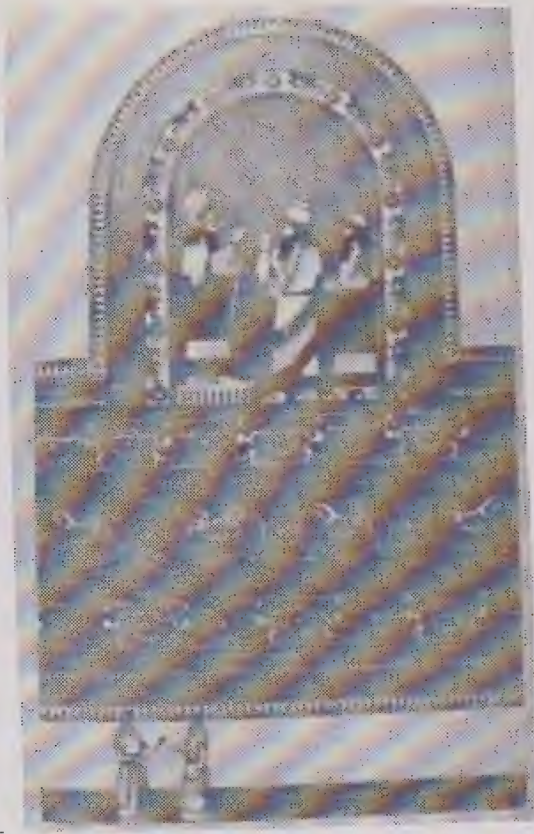
سارگون دوئم کے محل کی ایک تصویر

آخری آٹھویں صدی قبل مسیح کا عموئی بادشاہ
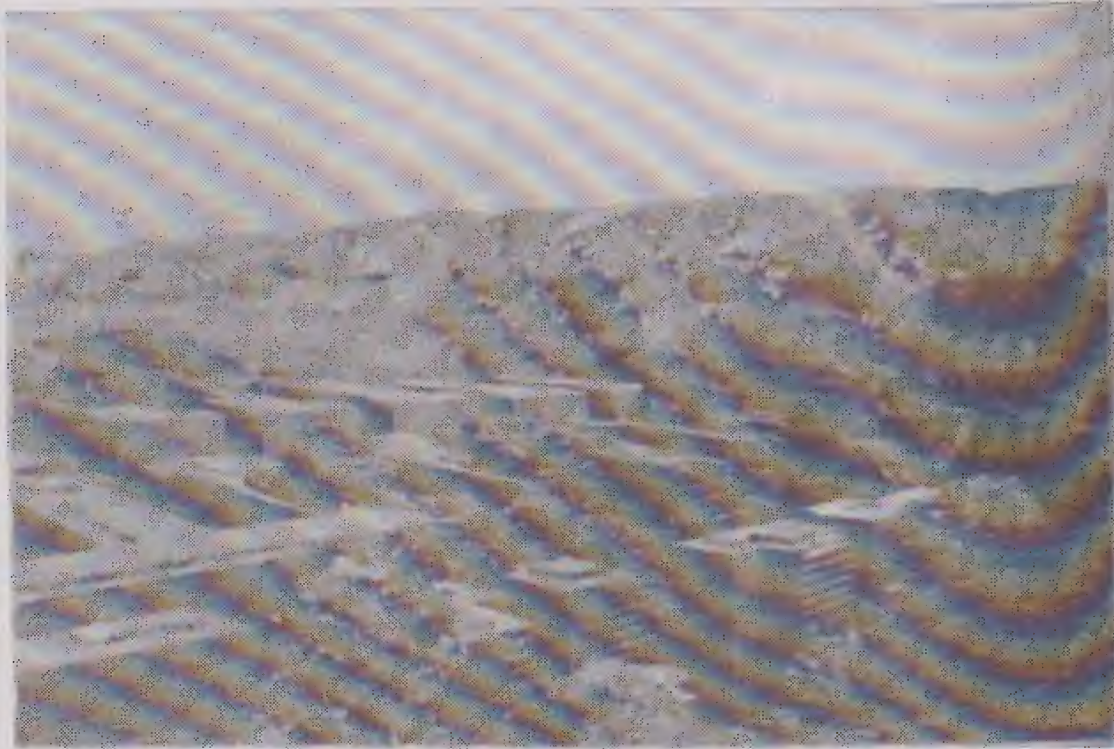
بابل کے معلق باغات
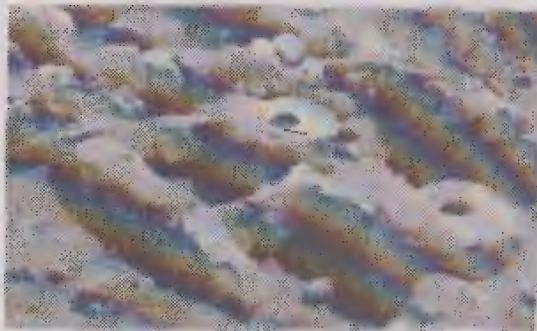
آٹھویں صدی قبل مسیح کا رنگائی کا کارخانہ
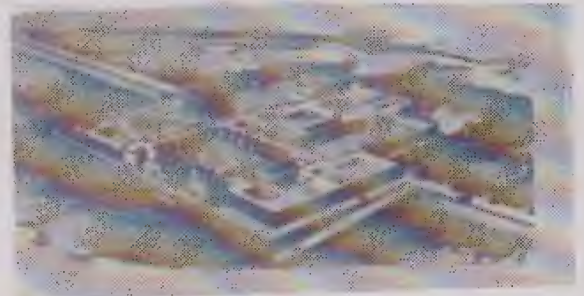
سارگون دوئم کا محل

وہ تاریخی پتھر جس پر تین زبانوں کی لکھائی ہے۔ جس کی وجہ سے مصری خط پڑھا جا سکا۔

یونانیوں کا مرکز تعلیم و تحقیق

یونانیوں کا ایک تھیٹر

ایرانیوں کی شان و شوکت

ہیروڈین مندر

تپ نوش جان۔ ساتویں و آٹھویں
صدی میڈیا والوں تباہ شدہ شہر
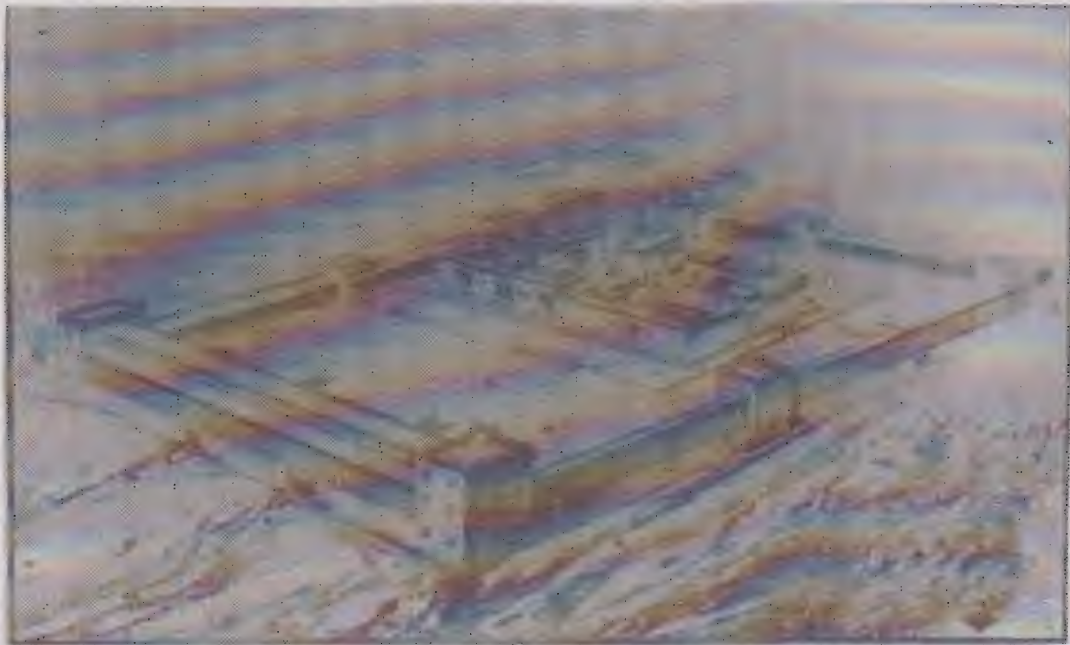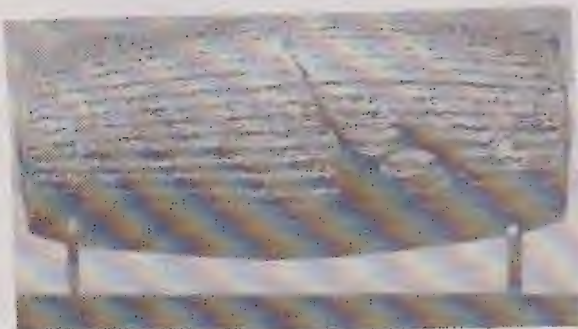
اس مہر پر سائرس کے بابل
کو فتح کرنے سے متعلق تحریر ہے۔

دارِیس و سائرس کا محل

بخت نصّر شاہ بابل کا محل۔ زمانہ 562-605 قبل مسیح

حضرت زکریاؑ کا مزار

سباوالوں کے ایک محل کا منظر

سسلی میں ایک مندر کی تصویر

یونان کی عظمت رفتہ

سبا والوں کے بت

سبا والوں کے بت

سدّ مارب۔ مارب ڈیم کا ایک منظر

سد مارب۔ مارب ڈیم کا ایک منظر

وہ مقام جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے

نودیں صدی قبل مسیح کے ایران کا دارالخلافہ

داستان پنجم و آخر

آمد مصطفیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عیسیٰؑ کے رفع آسمانی کو چار سو اٹھائیس برس گزر گئے اور دنیا میں کوئی اور نبی و رسول اس عرصہ کے دوران نہیں آئے تھے۔ دنیا کی حالت بڑی عجیب ہو رہی تھی اس کا خاکہ حسب ذیل ہے۔

1- **عیسائی اور یہودی** اپنی کتابوں کو بھلا چکے تھے اور ان میں تحریف کر چکے تھے۔ انبیاء کی انہوں نے تذلیل کی تھی۔ حتیٰ کہ انکے قتل سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ہر قسم کی برائی ان میں موجود تھی۔ بت پرستی کرنے لگ گئے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔

2- **مجوسی۔** یہ لوگ ایران میں آباد تھے اور آگ کی پوجا کرتے تھے۔

3- **ہندو مت۔** ہندوستان کا یہ مذہب ہے اور ان کے ہاں لاکھوں خدا ہیں۔ ہر ہر قسم کی برائی ان میں موجود ہے۔

4- **بدھ مت اور جین مت۔** یہ دو مذاہب بھی ہندوستان میں ہیں۔ ان کے لوگ بھی بتوں کو پوجتے ہیں۔

5- **اہل چین کے مذاہب۔** کنفیوشس ازم' طاوازم' بدھ مت' ان سب کے ہاں بت پرستی پائی جاتی ہے۔

6- **اہل جاپان کا مذہب۔** شنٹوازم' شہنشاہ کی پوجا کرتے تھے۔

7- **عرب و ملحقہ علاقوں کا مذہب۔** اس کے بارے میں آپ پچھلے ابواب میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔ یکے بعد دیگر انبیاء آئے لیکن اس کے باوجود یہ بت پرستی کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ ستارہ پرست تھے۔

اس کے علاوہ پچھلے ابواب میں دنیا تہذیب کے بارے میں بھی مختصراً" تحریر کیا جا چکا ہے جن میں تہذیب مصر' کالڈیہ کی تہذیب' حمورابی کے قوانین' اشوری تہذیب' ایران کی تہذیب' یونان کی تہذیب' الغرض دنیا کے تمام خطوں میں تہذیبیں پل رہی تھیں' بڑھ رہی تھیں' تباہ و برباد ہو رہی تھیں۔ کہیں دنگا کہیں فساد' کہیں بت پرستی اور کہیں جرائم۔

پھر خدا کی طرف سے وعدہ پورا ہوا۔ اب چونکہ دنیا سمٹ رہی تھی۔ دنیا کے آپس میں روابط بڑھ رہے تھے۔ اب ایک ایسے رسول کی ضرورت تھی جو پوری دنیا کیلئے ہو اور اس کی تعلیمات روز آخر تک ہوں۔ چنانچہ عرب میں اس نبی و رسول کا ظہور ہوا کہ جس کی کائنات منتظر تھی اور یہ نبیوں کے قصوں میں آخری اور حتمی قصہ تھا۔ اس کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا تھا۔

ذرا پچھلے ابواب کو ذہن میں رکھیں اور یاد کریں کہ حضرت ابراہیمؑ نے بی بی حاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو وادی غیرذی زرع میں آباد کیا۔ اور خانہ خدا کی بنیاد بھی ڈالی۔ یہ وہ جگہ تھی کہ جس کی نشاندھی اللہ تعالیٰ نے خود کی تھی۔ حضرت اسماعیلؑ کے 12 بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

حضرت موسیٰؑ کے عہد میں نبو اسماعیل تمام حجاز میں یمن سے شام تک پھیل گئے تھے۔ بنو اسماعیل کا نہایت دولتمند قوموں میں شمار تھا۔ کانوں میں مرد سونے کے زیور پہنتے تھے۔ اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلاوے ڈالتے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام قیدار تھا جو حجاز میں آباد ہوا۔

قریش۔

مضر بن نزار بن عدنان بن قیدار بن اسماعیل کا ایک خاندان۔ فہر کا لقب قریش تھا۔ اس کا بیٹا غالب، اس کا لوی، اس کا کعب، اسکا مرہ، اس کا کلاب، اس کا قصی، اس کا عبدالمناف، اسکا ہاشم، اس کا عبدالمطلب ان سے عبداللہ اور ان سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ آپؐ عرب کے مشہور قبیلے قریش اور بنی ہاشم میں پیدا ہوئے اور یہ زمانہ 571 عیسوی کا تھا۔

اس موضوع پر یہاں ان سطور میں لکھنے سے مراد یہ ہو گا کہ ایک بہت ہی ضخیم کتاب بن جائے گی۔ لیکن پھر بات اصل مقصد سے ہٹ جائے گی۔ لہٰذا انتہائی مختصراً" عرض ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے (اس کتاب میں قرآن میں ہی بیان کردہ قصص بیان کیے گئے ہیں) اور یہ خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ وہ ان پر نازل ہوا۔ قرآن، علم و یقین کی روشنی ہے اور ذات اقدسؐ اس کا عملی نمونہ، اسوہ اور نقشہ ہیں۔ قرآن رشد و ہدایت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم راشد و ہادی۔ قرآن حق و صداقت کیلئے دعوت و پیغام ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے داعی و پیغمبر۔

چنانچہ آپؐ کی ولادت باسعادت سے لیکر کے ساری زندگی کے حالات و واقعات بہت بلند درجہ کے ہیں (اس کیلئے آپ کوئی بھی اچھی سیرت النبی پر لکھی کتاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں)۔

آپؐ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے وہ دین عطا کیا کہ جو ہر لحاظ سے مکمل اور تمام زمانوں اور پوری کائنات و لوگوں کیلئے ضابطہ حیات ہے۔

چنانچہ اب سے لیکر روز قیامت تک نبی آخر ہی رہبر و راہنما ہوں گے اور قرآن ایک زندہ و جاوید اور ترو تازہ تحریر۔ احکاماتِ الٰہی ہمارے ساتھ ہوں گے اور یہ صرف ایک خطے کیلئے نہیں بلکہ پوری کائنات کیلئے ہیں۔ نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم رحمت العالمین ہیں اور رب، رب العالمین ہے۔

☆☆☆

مسلمانوں کی نماز۔ خدا کی عبادت

مسجد اقصیٰ۔ وہ مقام جہاں سے حضرت محمدؐ معراج پر تشریف لے گئے تھے۔
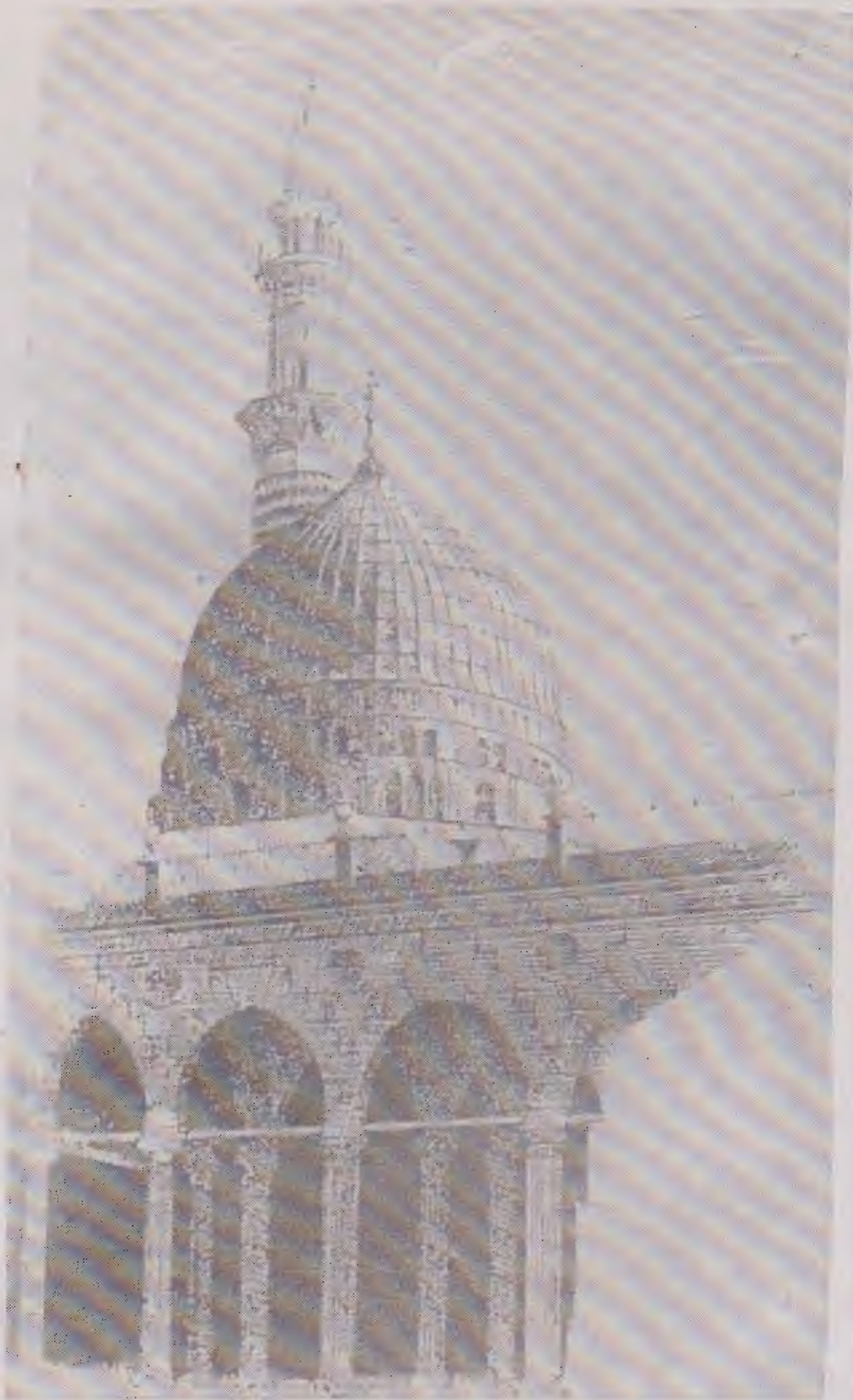
مرکز رشد و ہدایت

اول و آخر

حصہ پنجم

لاحاصل سے حاصل

حاصل ایک مخفی راز ہے یعنی چھپا ہوا خزانہ
لاحاصل تیری آنکھوں کے سامنے ہے یعنی زمانہ

گزشتہ ابواب میں ان تمام حالات و واقعات کو بیان کیا گیا ہے کہ جن کا ذکر قرآن مجید فرقان حمید میں آیا ہے۔ یعنی تخلیق آدم سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک زمانہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اے ایمان والوں۔ اے آنکھوں والوں غور کرو۔ کیا کوئی چیز باقی رہی۔ نہیں۔ کیا کوئی چیز باقی رہے گی۔ نہیں۔ مگر ہاں ایک ہستی باقی رہے گی۔ اللہ جو ازل سے ابد تک ہے۔ جس کا کوئی تعین نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات خلق کی۔ یہ زمین پیدا کی' اس میں انسانوں کو پیدا کیا۔ اور انسان کو پیدا کرنے کا ایک مقصد تھا۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب "کیمیائے سعادت" میں لکھتے ہیں۔

"اس بات کو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لہوولعب کے واسطے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کا مقصد زندگی بہت بلند ہے۔ اور اس کیلئے خطرات (یعنی کہیں آدمی حیوانیت کے گڑھے میں نہ گرے) بھی بہت ہیں۔ اس لئے کہ اگر انسان ازلی نہیں تو ابدی تو بہرحال ہے۔ اور ہمیشہ تک تو اسے رہنا ہے۔"

پھر ایک داستان شروع ہوئی۔ ایک جنگ شروع ہوئی۔ نیکی اور بدی کی۔ انسان اور شیطان کی۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک بے شمار واقعات ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے وعدہ کیا کہ جب بھی انسان اپنی راہ سے بھٹکے گا تو وہ ان کی راہنمائی کیلئے انبیاء بھیجے گا جو انہیں سیدھا راستہ دکھائے گا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

"ارحم الراحمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت یہ ہے کہ اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش، پیغمبر صلوات اللہ و سلام علیہم دنیا میں بھیجے تاکہ اس کیمیا کا نسخہ اللہ کی مخلوق کو سکھائیں، نقد دل کو مشقت کو بھٹی میں رکھنے کا طریقہ بتلائیں تاکہ وہ برے اخلاق سے پاک ہو وہ برے اخلاق جن سے انسان کا دل میلا اور کثیف ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بتلائیں کہ اخلاق حسنہ سے انسان کا دل کس طرح معمور ہوتا ہے۔"

قرآن عزیز میں بھی ارشاد ہوا ہے۔

"وہ شخص جیت گیا جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔ اللہ کی یاد کرتا رہا۔ اور نماز کا پابند ہو گیا۔ کیا تم (ان باتوں کو چھوڑ کر) حیات دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ حیات اخروی اس سے بہتر

اور باقی رہنے والی ہے۔ یہ باتیں پہلے صحیفوں میں بھی تھیں۔ یعنی ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحائف میں۔" (اعلیٰ 14-19)

دوسری طرف شیطان جو رحمان اور انسان کا ازلی دشمن ہے وہ انسانوں کو ورغلائے گا۔ انہیں پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت میں مبتلا کرے گا۔ انہیں لاحاصل کی طرف راغب کرے گا۔ اور جو لوگ لاحاصل کی طرف مائل ہو جائیں گے وہ برباد ہوں گے

پڑھ پڑھ عالم فاضل ہویا
اجے وی طالب زر دا۔ ھو
لکھ ہزار کتاباں پڑھیاں
پر ظالم نفس نہ مردا۔ ھو
باج فقیراں کسے نہ ماریا
باھو چور اندر دا۔ ھو

اور جو لوگ حاصل کی جستجو میں لگے رہیں گے وہ کامیاب و کامران ہوں گے۔

بقول امام غزالیؒ

"جب اس نے غصہ اور خواہش سے نجات حاصل کر لی تو ملائیکہ کے درجے کو پہنچ گیا اور اعلیٰ علیین میں مقام حاصل کر لیا۔ مقصد یہ ہے کہ خواہش و غصہ دونوں اس کے ہاتھ میں قیدی ہوں اور یہ انکے بمنزلہ بادشاہ ہو۔

پھر جب اسے بادشاہی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کی بندگی و عبادت کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور بندگی کی صفت ملائیکہ کی صفت ہے۔ اور اس سے آدمی مرتبہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے جمال کی محبت کا مزہ انسان کو نصیب ہو جاتا ہے تو اس کے دیدار سے ایک لمحہ صبر نہیں کر سکتا۔ اس کے لازوال جمال کا دیدار' اس کی بہشت ہو جاتی اور انسان کی

آنکھ' پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کے حصہ میں جو بہشت ہے وہ
اس کے نزدیک ہیچ محض ہو کر رہ جاتی ہے۔"

اس دنیا کی اگر کچھ حقیقت ہے تو وہ انسان سے ہے۔ آج جبکہ پوری دنیا سمٹ کر ایک گاؤں (Global Village) کی شکل اختیار کر گئی ہے اور دنیا ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئی ہے اور ایک دوسرے کے علوم و فنون سے استفادہ بھی کر رہی ہے تو کیا یہ لوگ ان چیزوں کو نہیں دیکھتے' ان نشانوں کو نہیں دیکھتے جو ٹھیکریوں کی شکل میں ان کے ارد گرد بکھرے پڑے ہیں۔ ہاں یہ وہی لوگ تھے جو لاحاصل کے دلدادہ تھے مگر ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی تھے جو حاصل کی طرف راغب تھے۔

گزشتہ ابواب میں انہی نشانات کو موضوع بنایا گیا ہے جو خدا کے ہاں عبرت کے نشان ہیں' لوگوں کیلئے۔

قرآن مجید میں جتنے بھی انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے اور جن اقوام کی طرف انکو مبعوث کیا گیا۔ اور ان سے جو معاملات پیش آئے یعنی اگر نافرمان ہوئے تو انہیں سزا ملی ان پر عذاب مسلط کیے گئے۔

☆ کبھی ایسا عذاب کہ مکمل تباہی کر دی جاتی۔
☆ کبھی ایسا عذاب کہ ان کو ڈرانا مقصود ہوتا۔
☆ کبھی عذاب غیر ملکی حملوں کی صورت میں ہوتا۔
☆ اور کبھی سچے دل سے معافی مانگنے پر عذاب ٹل جاتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد کیا تھا۔ جبکہ یہ ہر قریہ' ہر بستی' ہر زمانے میں آئے۔

یہ لوگوں کو ڈراتے تھے۔ ان لوگوں کو جو شرک کرتے تھے۔ کسی دوسرے کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے۔ برائی کے کام کرتے تھے۔ زنا' چوری' ڈاکے' جھوٹ' فریب' دھوکا' راہزنی' فساد اور ہر برے سے برے کام کو اپنا طرہ امتیاز سمجھتے تھے۔ دنیا کی محبت کو دل سے لگاتے تھے اور سمجھتے تھے شاید یہ سب کچھ ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں۔

میاں محمدؒ فرماتے ہیں۔

مان نہ کیجئے روپ دا' وارث کون حسن دا
سدا نہ رہن شاخاں ہریاں' سدا نہ پھل چمن دے

اور آج آپ دیکھتے ہی ہیں کہ انسان کیا کر رہا ہے۔ وہ اپنے بلند و بانگ دعوے کرتا ہے۔ بلند عمارتیں بناتا ہے۔ بڑے بڑے کام کرتا ہے۔ اور پھر اس پیغام کو بھول جاتا ہے جو خدا نے انبیاء کے ذریعے لوگوں کو دیئے اور سمجھتا ہے کہ یہی اس کی زندگی ہے' اور کچھ نہیں۔

پنجابی کا ایک شعر ہے۔

نہ کر تیرا' میرا' ایتھے' کوئی نہ ایتھے تیرا اے
ایس دنیا تے' تیرا مورکھ' جوگی والا پھیرا اے

اور انبیاء کا وہ پیغام کہ خدا کے پاس لوٹ کر واپس جانا ہے اور اسے حساب دینا ہے اسکو جھوٹ سمجھتا ہے۔ بالاخر انہیں انکے کیے کی سزا ملنی ہی ہے۔

قرآن کے بیان کردہ قصص میں ہر طرح کی عبرت ہے۔

☆ قصہ ہابیل قابیل میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ قدرت کے قوانین اٹل ہوتے ہیں۔ انہیں نہیں توڑنا چاہئے۔

☆ قصہ نوحؑ صالحؑ و ھودؑ میں یہ راز پنہا ہے کہ اگر انبیاء کے پیغام کو جھٹلایا اور اس راستے کی طرف راغب نہ ہوئے جو اللہ کی طرف جاتا ہے تو انہیں مکمل تباہ کر دیا جائیگا۔

☆ قوم لوطؑ کیسی قوموں کو بھی تباہ و برباد کر دیا جائیگا۔ لیکن ایمان والوں کیلئے انعام ہو گا۔ قوم یونسؑ کی طرح اگر لوگ سچے دل سے معافی مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ اور جو خدائی دعویٰ کرے گا اسے تہس نہس کر دیا جائیگا۔

☆ اور حضرت موسیٰؑ کی قوم کہ وہ لوگ جتنی بھی نافرمانی کریں ان کی اصلاح کار کیلئے انبیاء اور نیک لوگ آتے ہی رہیں گے کہ شاید سدھر جائیں اور آثار کی نشاندہی بھی کر دی کہ جو ان سے متعلق تھے اور یہ ہے علم تاریخ اور آثار قدیمہ۔

قرآن مجید قدم قدم پر تاریخی مطالعہ پر زور دیتا ہے اور وہ اپنے اٹل قوانین کی تائید میں تاریخی نظائر و شواہد پیش کرتا ہے۔ اور ہر صاحب بصیرت کو دعوت غور و فکر دیتا ہے۔

اس دنیا کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ انسان یہاں بھیجا گیا۔ یہاں وہ اعمال کرے۔ اور اس کو دو راستے دیئے گئے ہیں۔

قرآن میں آیا ہے۔

"ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر' جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔ ان کے راستے پر نہیں' جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔ اور نہ ہی گمراہوں کے راستے پر۔

(سورہ فاتحہ 5 تا 7)

تو ذرا غور کیجئے کہ کھلی نشانیاں جو آثار قدیمہ کی شکل میں ہیں۔ اور واضع ہدایت جو قرآن کی شکل میں ہمارے پاس ہے۔ یہ سب کس لئے ہیں؟ کیا یہ بے مقصد ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ انسان نے آخر لوٹ کر جانا ہے۔ ابدی زندگی کی طرف۔ یہ اس کی عارضی زندگی ہے۔ اور انسان ہے کہ عارضی زندگی کو ہی دل سے لگا کر بیٹھ گیا ہے۔ غور کیجئے۔ فکر کیجئے۔ یہی قرآن کا پیغام ہے۔ قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے واقعات کی نشاندھی کر دی ہے۔

اس دن سے قبل کہ جب انسان تنگ و تاریک قبر میں چلا جائیگا۔ اسے اپنے اعمال درست کرنے ہوں گے اور جو خدا کا حکم ہے اس پر عمل کرنا ہو گا۔ پس یہ کتاب

لکھ کر آثار قدیمہ کی اہمیت بتانے کا فرض پورا کیا۔ اور اس پنجابی شعر پر اس کتاب کو ختم کروں گا۔

جنوں سلاوے جگ ایہہ سارا' کر او سچیاں باتاں
چار دناں دی چاننی ہوندی' فیر اندھیریاں راتاں

☆☆☆
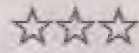
کتابیات

اردو۔

1- قرآن مجید فرقان حمید۔

2- مطالعہ تاریخ۔ کوثر نیازی۔ جنگ پبلشرز۔ لاہور۔

3- ارض قرآن۔ سید سلیمان ندوی۔ معارف۔ اعظم گڑھ۔

4- قصص القرآن۔ علامہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ پروگریسو بکس۔ لاہور۔

5- جغرافیہ قرآن۔ انتظام اللہ شہابی۔ انجمن ترقی اردو۔ کراچی۔

6- قصص انبیاء کے رموز اور ان کی حکمتیں۔ شاہ ولی اللہ۔
شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔ حیدر آباد۔ سندھ۔

7- انبیاء قرآن۔ محمد جمیل اختر۔ لاہور۔

8- معجم القرآن۔ غلام جیلانی برق۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور۔

9- معارف القرآن۔ علامہ غلام احمد پرویز۔ ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی۔

10- تاریخ اقوام عالم۔ مرتضیٰ احمد خان۔ مجلس ترقی ادب۔ لاہور۔

11- تاریخ ابن کثیر۔ جلد اول۔ نفیس اکیڈمی۔ کراچی۔

12- انوار تفکر۔ عطاءاللہ پالوی۔ سنگم کتاب گھر۔ دہلی۔

13- کائنات قبل از اسلام۔ مولانا سید مجتبیٰ حسن موسوی۔ کانپور۔

-14 قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں۔ ابوالاعلیٰ مودودی۔ اسلامک پبلیکیشنز -لاہور۔

-15 اصحاب الرس۔ سید نور علی ضامن حسینی۔ ارشد اکیڈمی۔ بہاولپور۔

-16 تاریخ شام۔ فلپ کے حتی۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور۔

-17 کشاف الہدیٰ۔ یعقوب حسن۔ مدراس۔

-18 کیمیائے سعادت۔ امام غزالیؒ۔ مکتبہ رحمانیہ۔ لاہور۔

-19 مطالعہ تاریخ۔ آرنلڈ ٹائن بی۔ مجلس ترقی ادب۔ لاہور۔

-20 سیر روحانی۔ مرزا بشیر الدین محمود۔ تحریک جدید قادیان۔

-21 حکمائے عالم۔ تفتی۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور۔

-22 ذوالقرنین کا اصولی تصور۔ غلام اعظم۔ جہلم۔

-23 طبقات الامم۔ قاضی ابوالقاسم صائمہ بن احمد اندلسی۔

-24 تذکرہ۔ محمد عنایت اللہ خان المشرقی۔ امرتسر۔

-25 کتب سماوی پر ایک نظر۔ سید ذوقی شاہ۔ اقبال اکیڈمی۔ لاہور۔

-26 تاریخ طبری جلد اول۔

-27 پرانا و نیا عہد نامہ۔

-28 انقلابات عالم۔ ادارہ تالیف و تصانیف۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور۔

-29 قصہ ابلیس و آدم۔ کوثر نیازی۔ آئینہ ادب۔ لاہور۔

-30 شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے۔ شمس الرحمٰن محسنی۔ ساگر اکیڈمی۔ لاہور۔

-31 جغرافیہ بائبل از یوحنا خان۔

-32 قصص و مسائل۔ مولانا عبدالماجد دریابادی۔ ادارہ اشاعت اردو۔ حیدر آباد دکن۔

نوٹ:- کتاب میں شامل تصاویر شکریہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہیں - جو مندرجہ ذیل کتابوں سے لی گئی ہیں - (کتاب کے آگے نمبر درج ہیں -)

ENGLISH

1. The Cambridge Encyclopaedia of Archaeology, Cambridge University Press, London. (6, 12, 29, 110, 119)

2. The Heritage of the World Civilizations, McMillon Publishing Co. New York (1, 90, 92, 110, 124, 125, 126, 136, 20, 21, 22, 27, 80)

3. The Queen of Saba, H. St. John Philby, Quartet Books, New York.

4. An Introduction to Bible Archaeology, Howard F. Vos, Moody Books.

5. Archaeological Atlas of the World, Thames and Hudson.

6. A Short History of Archaeology, Glyn Daniel, Thames and Hudson.

7. Everyday Life in Ancient Times, National Geographical Society, USA. (105)

8. The Ancient Near East, James, Princeton.

9. Creation and Evolution, Norman D. Newell, Colombia.

10. The Secret History of World Religions.

11. Religions of the World, Lewis M. Hopee, McMallon.

12. Encyclopaedia of Archaeology, Hutchinson.

13. The Archaeology of the Bible Land, Magnus Magnesian, Bodley Head, BBC. (7, 17, 86, 88, 94, 95, 96, 109, 114, 115, 123, 45, 47, 49, 51, 52, 54A, 74, 75, 82, 83, 84, 85)

14. The First Cities, Rutin Whitehouse, Phaidon Dutton, New York.

15. Early History of Syria, Sidney Smith, Chatto & Windus.

16. Ancient Iraq, George Roux, Penguin Books.
(2, 10, 25, 39, 40, 41, 42)

17. Everyday Life in Babylonia and Assyria, Saggs, Dorset.

18. Ebla, Chaim Bermant, London.

19. Southern Arabia, Brain Doe. Thames and Hudson.
28, 129, 130, 131, 132

20. The Near East in Pictures, Princeton.
31, 62, 68, 71

21. Archaeological Discoveries in Southern Arabia, Richard Jr. Baltimore.

22. Jordan and Holyland, Kay Showker, Mckay N.Y.

23. Abraham — His Life and Times, Nusrat Hussain Zubairi, Royal Book Co., Karachi. (54, 55, 55A, 58, 135)

24. The Hittitees — People of 100 gods, Johannes Lehmann, Collins, London. (32, 35, 36, 103, 106)

25. Archaeology in the Holyland, Kathleen M. Kenyor Benn Ltd., London.

26. Historical Dissertation, K.A. Rashid, Pakistan Historical Society, Karachi.

27. Social Thoughts of the Ancient Civilizations, Hertzier, Mc Craw Hill Book Co.

28. The Might that was Assyria, SAGGS, Sidgwick & Jackson. (104)

29. Archaeological History of Ancient ~~Near~~ Middle East, Finegan, Eestview.
13, 15, 16, 91, 97, 98, 100, 101, 107, 108, 111, 112, 113, 117, 118, 120, 121, 76, 78, 79, 81, 23 ★★★ 30, 34, 38, 44, 46, 61, 63, 64 70, 116, 26A, 48, 59, 60, 64, 67, 69, 77,

30. Bib. Arch. 14, 24A, 8, 7, 89, 93, 99, 102, 135, 134, 137, 32, 33, 43. 53, 56, 57. (Bib. illU) 18, 19, 50, 24,

31. PeoPle & Places - NGS - 5, 9, 3, 4, 122, 127, 26, 66, 72, 77.

اِنَّ ھٰذا لَھُوَ القَصَصُ الحَقُّ ۳/۶۲
بے شک یہی قصے سچے ہیں۔ (القرآن)
نشاناتِ عبرت
(قرآن میں آثارِ قدیمہ کی حقیقت)
میاں عتیق احمد
فیلو آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن)